

تاریخ اور عورت

(اضافہ شدہ ایڈیشن)

ڈاکٹر مبارک علی



تاریخ اور عورت

(اضافہ شدہ ایڈیشن)

ڈاکٹر مبارک علی



تاریخ پبلیکیشنز

فکشن ہاؤس

فکشن ہاؤس



www.fikshnhouse.com

تاریخ اور عورت

(اضافہ شدہ ایڈیشن)

ڈاکٹر مبارک علی

05477

تاریخ پبلیکیشنز

بک سٹریٹ 39-مرگٹ روڈ لاہور پاکستان

e-mail: tarikh.publishers@gmail.com

جملہ حقوق محفوظ ہیں

نام کتاب : تاریخ اور عورت (اضافہ شدہ ایڈیشن)

مصنف : ذاکر مبارک علی

اہتمام : ظہور احمد خاں

پبلشرز : تاریخ پبلیکیشنز

ہنگ سٹریٹ 39-مرگ روڈ لاہور، پاکستان

کپڑے : فکشن ہاؤس اینڈ کرائفٹس لاہور

پرستار : سید محمد شاہ پرستار لاہور

مردق : ظہور

اشاعت : 20۱۰ء

قیمت : Rs 300.00

تقسیم کردہ:

فکشن ہاؤس ہنگ سٹریٹ 39-مرگ روڈ لاہور، پاکستان 042-37249218-37237430

فکشن ہاؤس 52/53-راولپنڈی روڈ لاہور 022-2780608

فکشن ہاؤس، نوشہرہ سٹریٹ نمبر 15، لاہور، پاکستان

فکشن ہاؤس

• لاہور • حیدرآباد • کراچی

e-mail: fictionhouse2004@hotmail.com

انتساب

روپیہ ہنگل کے نام

فہرست

۵	تعارف
	حصہ اول
۱۰	عورت اور تاریخ
۲۱	عورت اور تہذیبی عمل
۲۷	عورت کی ہجرت
۳۶	عورت ہندوستانی تہذیب میں
۴۳	چرچ اور عورت
۴۹	صوفیا اور عورت
۵۳	حرم
۵۹	مثالی عورت
۶۷	عورت اور طوائف
۸۱	عورت اور شادی
۸۳	عورت اور تنہائی

حقیقی معاشرہ اور عورت

۸۷

ہندوستانی معاشرہ اور عورت

۹۱

عورت اور سیاست

۹۹

انتقادی (محصاؤل)

۱۰۳

حصہ دوم

عورتوں کی تاریخ

۱۰۷

قدیم مصری عورت

۱۳۰

ہندو سماج میں عورت

۱۳۶

قدیم یونانی عورت

۱۳۳

معاشرہ، عورت اور مذہبی زنجیر

۱۵۱

سائنسی و فلاحی رسم و رواج اور پنجابی عورت

۱۶۱

تعارف

انسانی معاشرہ کے ارتقا اور انسانی تہذیب کی نشوونما اور پرداخت میں عورت نے جو کردار ادا کیا ہے وہ مرد کے کردار سے زیادہ ہی ہے، اس سے کم ہرگز نہیں۔ لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ تاریخ کے طویل سفر میں عورت کے اس کردار کا کبھی اعتراف نہیں کیا گیا۔ یہی نہیں بلکہ اکثر و بیشتر اس کے کردار کو منفی انداز میں پیش کیا گیا، یہاں تک کہ اس کے انسان ہونے کی حیثیت بھی تسلیم نہیں کی گئی۔ صدیوں کے اس طریق عمل نے ہماری تاریخ کو یکطرفہ اور ایک مردانہ چابی بنا کر رکھ دیا ہے اور اس میں مغرب اور مشرق کی بھی کوئی تخصیص نہیں۔ البتہ مغرب میں یہ ضرور ہوا ہے کہ گذشتہ ایک آدھ صدی میں عورتوں نے اپنے حقوق کے لیے جولاٹیاں لڑی ہیں، ان کے مقابل نہ صرف ان کے بعض بنیادی حقوق تسلیم کر لیے گئے ہیں، بلکہ علوم کے دائرے میں تو عورت کو از سر نو دیکھنے اور اس کے حقیقی کردار کو دریافت کرنے کی بڑی کارآمد کوششیں بھی ہوئی ہیں۔ یہ ضرور ہے کہ مغرب میں بھی ابھی بحیثیت مجموعی عورت اپنے اصل انسانی منصب پر فائز نہیں ہو سکی ہے تاہم اس نے ماضی کے مقابلے میں اپنے لیے بہت کچھ حاصل کر لیا ہے۔ مشرق کی کہانی ابھی بڑی حد تک وہیں کھڑی ہے جہاں صدیوں پہلے کھڑی تھی۔

مغرب و مشرق کی اس تخصیص سے قطع نظر عورتوں کی تحریکوں نے عالمی سطح پر کسی نہ کسی حد تک اس شعور کو ضرور پروان چڑھایا ہے کہ معاشرہ کی تعمیر و ترقی صرف

مردوں پر انحصار کے ذریعے ممکن نہیں۔ عورتیں ہر انسانی معاشرے کا اتنی ہی قیمتی حیثیت ہیں جتنا کہ مرد۔ اسی احساس کے زیر اثر دنیا میں فیسٹ ادب اور تحقیق کا دور دراز دور ہوا ہے اور آئے دن خواتین کے حوالے سے نئی تحقیقات اور تخلیقی کاوشیں سامنے آتی رہتی ہیں۔ خوش قسمتی سے علمی کاوشوں کے میدان میں خود مشرقی ممالک میں بھی قابل ذکر سرگرمی نظر آتی ہے۔ پچھلے تین چار عشروں میں ہمارے خطے کے ممالک میں بھی اچھا خاصہ فیسٹ لٹریچر منظر عام پر آیا ہے۔ ڈاکٹر مبارک علی کی ذریعہ نظر کتاب بھی اسی ذخیرہ علم و ادب کا حصہ ہے۔

ڈاکٹر مبارک علی کا نام اور کام اب کسی تعارف کا محتاج نہیں رہا۔ پچھلے تین برسوں میں انہوں نے پاکستان کے پڑھنے لکھنے والے اور سیاسی حلقوں میں اپنی ایک پہچان پیدا کی ہے۔ تاریخ ان کا بنیادی میدان اور موضوع ہے۔ انہوں نے ساتھ ستر کتابیں لکھی ہیں، جو سب کی سب تاریخ کے کسی نہ کسی موضوع کا احاطہ کرتی ہیں۔ ان کی لکھی ہوئی ان سب کتابوں سے چند اہم رجحانات ایسا گر ہو کر سامنے آتے ہیں۔ مثلاً وہ تاریخ کو محض بادشاہوں، حکمران، خاندانوں یا سیاسی اشرافیہ کی باہمی چٹکتشوں اور محلاتی سازشوں کے بیان تک محدود نہیں رکھتے بلکہ وہ عوام کو تاریخ کا اصل موضوع اور مواد تصور کرتے ہیں۔ وہ انسانی کے معاشروں، ان کی تہذیبی سرگرمیوں اور ان کے آثار و افکار کو اپنی تحقیق کا موضوع بناتے ہیں اور یوں ماضی کا ایک زیادہ مبسوط اور ہمہ گیر منظر نامہ ہمارے سامنے آ جاتا ہے۔

ڈاکٹر مبارک علی کی تحریریں پڑھ کر اعجاز ہوتا ہے کہ وہ ہر قسم کے تعصب سے خود کو دور رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ قصبات جو بالعموم رنگ و نسل، مذہب و ملت اور ملک و قوم کے وسیلے سے ہماری سوچ و فکر کو سنج کرتے ہیں، ڈاکٹر مبارک علی ان سے خود کو آزاد کر کے تجربہ نگاری کا کام کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے بہت سے نتائج فکر بہت سوں کے لیے حیران کن اور بعض اوقات ناقابل برداشت ثابت ہوتے ہیں۔ بد قسمتی سے ہمارے ملک میں علمی سطح پر اتفاق و اختلاف کا تجربہ بھی پروان نہیں چڑھ سکا جس کی وجہ سے لوگ اپنی رائے سے مختلف رائے کو سننے اور برداشت کرنے میں

دشواری محسوس کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ڈاکٹر مبارک علی کی بھی یہی ہوئی بائیں ضروری نہیں کہ سو فیصد درست ہی ہوں۔ لیکن وہ غیر عقلی تصورات اور مسلمات کا وسیع حاصل کر لینے والی باتوں کو جب ہدف تنقید بناتے ہیں تو ان کی اس جرأت مندی کو تو صرف یہ کہ قدر کی نگاہ سے دیکھا جانا چاہیے بلکہ ان کے اٹھائے ہوئے سوالات پر سمجھتی سے نور بھی کیا جانا چاہیے۔

ڈاکٹر مبارک علی صاحب کی ایک اہم خدمت یہ ہے کہ انہوں نے مشکل اور پیچیدہ موضوعات پر بہت سادہ اور عام فہم زبان میں اظہار خیال کیا ہے۔ حقیقی تاریخی موضوعات کے انتخاب، ایک سرحدی رویے اور سلیبس زبان و بیان کے نتیجے میں ان کے قارئین کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا جا رہا ہے۔ ان کی کتابیں عام طالب علموں اور سیاسی کارکنوں میں ہاتھوں ہاتھ لی جاتی ہیں اور ملک کے چھوٹے بڑے شہروں، یہاں تک کہ دور افتادہ قصبات میں بھی ان کی تحریروں کی پراسس محسوس کی جاتی ہے۔

ڈاکٹر مبارک علی نے اپنی ذاتی زندگی میں بہت کمشن اور ادارہ مشکل دورا ہے دیکھے ہیں۔ لیکن سب آزمائشوں کے باوجود انہوں نے پاکستان میں سرحدی اور وسیع تر معاشرتی تناظر میں لکھی جانے والی تاریخ کو فروغ دینے کے لیے کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں کیا۔ یہ بات بھی خوش آئند ہے کہ انہوں نے اب سے کچھ تیس سال قبل سندھ یونیورسٹی (جامشورو) میں بیض کر جو شیخ جلالی تھی اور جس شیخ کی حفاظت انہوں نے لاہور منتقل ہونے کے بعد بھی یکسوئی کے ساتھ کی، اب اس کی درخشن ملک کے اطراف و اکناف میں پھیل رہی ہے۔ کہا جاسکتا ہے کہ ان کی محنت و ایساں نہیں گئی۔

یہاں اس بات کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ اس چوتھے ایڈیشن میں بعض اہم اضافے کیے گئے ہیں اور ڈاکٹر صاحب کے اسی موضوع سے متعلق پانچ دیگر مضامین بھی ان کی تائید سے کتاب میں شامل کر لیے گئے ہیں۔ ان کے علاوہ ڈاکٹر صاحب کا ترجمہ کردہ جون اسکوت کا ایک مضمون ”عورتوں کی تاریخ“ بھی بریل ہونے کی وجہ سے کتاب میں شامل کر لیا گیا ہے۔ ان مضامین کو ساتھ کتاب سے لیز کرنے کے لیے

حصہ اول

ہم نے موجودہ کتاب کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ حصہ اول اصل سابقہ کتاب پر مشتمل ہے جبکہ حصہ دوم میں مذکورہ چھ مضامین شامل کیے گئے ہیں۔ ان میں سے ہر مضمون کے آخر میں اس کے ناظر کا حوالہ دے دیا گیا ہے۔
 میں ارقا اسٹی ٹیوٹ آف سوشل سائنسز کی طرف سے اس کتاب کو شائع کرنے کی اجازت دینے پر ڈاکٹر مبارک علی صاحب کا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں۔ امید ہے کہ کتاب کا یہ زیم اضافہ شدہ ایڈیشن قارئین میں مسرت و مسرت قبول ہوگا۔

ڈاکٹر سید جعفر احمد

صدر

ارقا اسٹی ٹیوٹ آف سوشل سائنسز

۷۲ فردی - ۲۰۱۰ء

عورت اور تاریخ

حقوق نسواں کی ایک جرمن خاتون نے کہا تھا کہ "میری تاریخ کی کتابیں جھوٹ بولتی ہیں، وہ کہتی ہیں کہ میرا وجود نہیں تھا۔" تاریخ میں عورت کا وجود تو ہے مگر اس کا وہ وجود ہے جو مرد نے تشکیل دیا ہے، کیونکہ ہماری پوری تاریخ مردوں کی تاریخ ہے عورتوں کی نہیں۔ اس تاریخ کا جو خاکہ اور فریم ورک ہے، اس میں عورت کے لیے کوئی گنجائش نہیں۔ اگر وہ تاریخ کے صفحات پر ابھرتی ہے تو اس کا کردار اور عمل مرد کے تابع ہوتا ہے۔

اس لیے ایک عرصے تک یہ نظریہ مقبول عام تھا کہ تاریخ کی تعمیر و تشکیل صرف مرد ہی کرتے ہیں، اور اگر عظیم مردانہ ہوں تو تاریخ کا عمل رک جاتا ہے۔ اسی لیے بیٹھ بڑوں سے لے کر بڑے بڑے فاضلین سب ہی مرد تھے، جو اپنے نظریات و خیالات اور جدوجہد سے تاریخ کا رخ موڑتے نظر آتے ہیں، اور خیالات کے اس ہجوم میں اور جدوجہد کے اس عمل میں عورت کا وجود نظر نہیں آتا، تو کیا عورت کا تاریخ میں کوئی وجود نہیں؟ کیا اس کی ذات گنتی کے اندھیرے میں روپوش ہو گئی؟ اور کیا اس نے تاریخ میں کوئی کردار اور کوئی کارنامہ سرانجام نہیں دیا؟ اور اگر ایسا نہیں تو پھر کیوں اسے پیچھے دھکیل دیا گیا ہے، اور اس کے وجود اور ذات کو فراموش کر دیا گیا ہے۔

اول تو اس بات کو ذہن میں رکھا جائے کہ تحریری تاریخ کے وجود میں آتے آتے انسانی معاشرے پر مرد کا غلبہ ہو چکا تھا اور عورت کی سماجی حیثیت گر چکی تھی، اور عورت معاشرے میں مرد کے مساوی نہیں رہی تھی اور اس غیر مساوی درجے کی وجہ سے مرد کے لیے یہ آسان ہو گیا تھا کہ وہ اسے اپنے مفادات پر قربان کرتا رہے۔ اس لیے مردوں کی اس تاریخ میں عورت جس حیثیت اور

شکل میں ظاہر ہوتی ہے اس میں کوئی عظمت و عزت و وقار نہیں، بلکہ اس سے ایک ایسا تاثر ابھرتا ہے کہ جس میں کبھی عورت سے نفرت ہوتی ہے، تو کبھی اس پر رحم کھانے کو دل چاہتا ہے، اور کبھی اسے بالکل نظر انداز کر دیا جاتا ہے اور اس کی قربانی کا کوئی ذکر تک نہیں ہوتا کہ جو مرد اپنے مفادات کے لیے اس کے ذریعے حاصل کرتا ہے۔

ابتدائی دور میں جب قبیلوں میں باہمی جنگ و جدل ہوتا تھا اور اس کے بعد دوستی کے معاہدے ہوتے تھے تو اس میں شادی و بیاہ کے ذریعے تعلقات کو بہتر بنایا جاتا تھا۔ مثلاً آسٹریلیا کے قدیم باشندوں میں یہ رواج تھا کہ وہ مخالف قبائل سے دوستی کی غرض سے اپنی عورتوں کو ان کے پاس بھیج دیتے تھے، بعد میں انہوں نے سفید فام لوگوں سے دوستی کے لیے بھی اپنی عورتوں کو استعمال کیا۔ اور اس طرح سے انہوں نے اس کے لیے مادی فوائد حاصل کیے۔ آئسٹیم قبائل کے ہاں بھی یہ یوں کے تھے کہ لڑکے کا رواج تھا اور اس کے ذریعے وہ دوسرے قبیلوں سے بہتر تعلقات قائم کرتے تھے اور دشمنی کو ختم کرتے تھے۔ اس پورے عمل میں عورت کو اپنی مرضی کا کوئی دخل نہیں ہوتا تھا، اور اسے اپنے شوہر یا مرد کے حکم کو ماننا پڑتا تھا۔ اس سے یہ بات بھی ثابت ہو جاتی ہے کہ غیر طبقہ قبیلہ معاشرہ میں بھی عورت کا درجہ مساوی نہیں تھا۔ جیسا کہ آسٹریلیائی قبائل اور آئسٹیم کی مثالوں سے ظاہر ہوتا ہے۔ یہ سچ ہے کہ غیر مساوی درجہ بندی تھی جائیداد کے بعد پیدا ہوئی کہ جس میں جائیداد کی ضرورت ہوتی ہے۔ مگر قبائلی دور میں بھی عورت کو مرد اپنی جائیداد بھگتا تھا، اور اس کو اپنے فوائد کے لیے استعمال کرتا تھا۔

مرد نے اپنی عزت اور تخت و تاج بچانے کی خاطر اپنی عورتوں کو قربان کیا ہے۔ مثلاً بار جب سرقد میں تھا تو اس کے جانی دشمن شیبانی خان نے سرقد کا محاصرہ کر لیا اور باہر کے لیے قرار یا کامیابی کی کوئی امید نہیں رہی تو اس نے اپنی بہن خانزاؤ و بیگم کو شادی کے لیے شیبانی خان کے حوالے کر دیا اور خود وہاں سے قرار ہو گیا۔ راجپوت حکمرانوں نے اکبر کو شادی کے لیے اپنی لڑکیاں پیش کیں تاکہ وہ محل خاندان اور سلطنت کا حصہ بن کر مراعات حاصل کریں۔

اس سارے عمل کا اہم یہ تھا کہ عورت اس قربانی کے بعد گناہم ہو جاتی تھی اس کا کردار ختم ہو جاتا تھا، اور اس قربانی کے نتیجے میں جو فوائد ہوتے تھے اس سے مرد پورا فائدہ اٹھاتے تھے۔ تم ظہر لگتی ہے کہ ان تمام قربانیوں کے باوجود معاشرے میں عورت کا سماجی درجہ نہیں بڑھا۔ اس سے

اس کی عزت و احترام میں اضافہ نہیں ہوا۔ اس کی قربانیوں کو تسلیم نہیں کیا گیا، بلکہ اسے مردوں کو اور یہ حوصلہ افزائی ہوئی کہ وہ عورت کو اور اپنے مقاصد کے لیے استعمال کریں۔

تاریخ بھی عورت کی قربانی کے نتیجے میں ہونے والے عوامل سے خاموش ہے کہ اس کی اس قربانی نے کتنی جنگوں کو روکا۔ معاشروں میں امن و امان کو قائم کیا، آپس کی غیبتوں کو دور کیا، تعلقات کو بہتر بنایا، شکست کے دشمنوں کو متبادل کیا، اور لوگوں کو تحفظ اور سکون دیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عورت کی قربانی کو قربانی نہیں سمجھا گیا، کیونکہ اس صورت میں انہیں ان فوائد کے لیے عورت کا احسان سند ہوتا ہے، اس لیے عورت اور اس کی قربانیاں تاریخ کے صفحات سے خالی ہیں۔

اور ویسے بھی قربانی اس شے کو کہا جاتا تھا جو جائیداد کا ایک حصہ ہوتے تھے۔ مثلاً ایک عربی نیک غلاموں کو دیوتاؤں پر قربان کر دیا جاتا تھا۔ اس کے بعد جاویدوں کی قربانی دی جانے لگی، اور اس قربانی میں عورت بھی شامل تھی، کہ اسے کبھی دیوتاؤں کی خوشیوں کی خاطر قربان کیا، تو کبھی دیوتاؤں کی غلطیوں سے بچاؤ کی خاطر بیعت چڑھایا گیا۔ اس لیے جس شے کو قربان کیا جاتا تھا اس کی حیثیت و اہمیت کو تسلیم نہیں کیا جاتا تھا۔ اور یہی صورت عورت کی تھی کہ قربانی کے لیے غرض تو کی جاتی رہی مگر اس قربانی کا صلہ نہیں بلکہ مرد کو ملا۔

تاریخ میں عورت کا تذکرہ اس وقت بھی آتا ہے کہ جب جنگ کے خاتمے کے بعد مال غنیمت جمع کیا جاتا تھا۔ اس مال غنیمت کا سب سے اہم حصہ عورتیں ہوا کرتی تھیں، اور اس کی تقسیم بھی اس طرح سے ہوتی تھی، جیسے ہیرے، جواہرات، کپڑوں اور قالینوں کی۔ اگر عورت کی کوئی سماجی حیثیت تھی بھی تو وہ جنگی قیدی بننے کے بعد فوری طور پر ختم ہو جاتی تھی اور اس کا درجہ گھٹ کر گنہگار اور لونڈی کا ہو جایا کرتا تھا۔ اس کے مالک کو اس پر پورا پورا حق تھا کہ وہ اسے جس طرح چاہے استعمال کرے۔ اس کے ساتھ جنسی تعلقات رکھے یا اسے کسی کو بطور تحفہ دے۔

جنگ ختم ہونے کے بعد جرح کی خوشخبری بھیجی جاتی تھی اس میں خاص طور سے یہ خبر ہوتی تھی کہ کتنی عورتیں گرفتار ہوئیں۔ عام طور سے خوب صورت عورتیں حکمرانوں اور امراء کے لیے ہوتی تھیں اور باقی عام سپاہیوں میں تقسیم کر دی جاتی تھیں۔ کثیر لونڈی بننے کے بعد یہ عورتیں تاریخ سے غائب ہو جاتی ہیں، اور پھر ان کا تذکرہ نہیں ملتا کہ ان کے ساتھ کیا ہوا۔

یہ دستور بھی تھا کہ عورتوں کو دشمنوں کے ہاتھوں گرفتاری سے بچانے کی خاطر انہیں قتل کر دیا جاتا

تھا، جیسا کہ راجپوتوں میں جو ہر کی رسم تھی کہ جب وہ شکست کے آثار دیکھتے تھے اپنی عزت و آبرو بچانے کی خاطر انہیں قتل کر دیتے تھے یا زندہ جا دیتے تھے (یعنی عورت بذات خود نہیں تھی اگر تھی تو مرد کی عزت اور آبرو تھی)۔ اس عمل میں بھی عورت کی اپنی مرضی و خواہش نظر نہیں آتی ہے۔ بلکہ اس سے بھی مردوں کی بہادری، مردانگی اور عظمت کا پہلو نکلتا ہے کہ جنہوں نے اپنی آبرو بچانے کی خاطر عورتوں کو قربان کر دیا۔

ویسے بھی جنگ کے زمانے میں سب سے زیادہ اذیت کا شکار عورت ہی ہوتی تھی۔ قانع افواج سب سے پہلے متلوغ اقوام کی عورتوں کی آبروریزی کرتے تھے۔ اور یہ قدیم تاریخ ہی کی بات نہیں۔ دوسری جنگ عظیم میں روسیوں نے جرمن عورتوں کی اجتماعی آبروریزی کی اور اس وقت سرخیا اور یوگوسلاویا کی جنگ میں، سربیا کی تو میں یوگوسلاویا کی عورتوں کی عصمت دری کر دی ہیں۔

اس کا المیاتی پہلو یہ ہے کہ مرد اپنی مردانگی عورت کی عصمت دری کے بعد ثابت کرتا ہے۔ اس لیے قانع افواج متلوغ قوم کی عورتوں کی عصمت دری کر کے اپنی مردانگی اور فتح کو ثابت کرتے تھے اور یہ مرد کی اجتماعی نفسیات کا حصہ نہیں، انفرادی طور پر بھی اس کی مثالیں ہیں۔ مثلاً سعودی خاندان کے بانی بادشاہ سعود نے تقریباً سو شادیاں کیں۔ یہ ہمیشہ تین بیویاں رکھتے تھے تاکہ چوتھی شادی جب بھی ضرورت پڑے فوراً کر لیں۔ ہوا یہ کہ ایک جنگ میں وہ شدید زخمی ہوئے اور ان کے ساتھیوں کو یہ خیال ہوا کہ بادشاہ قوت و جرات سے محروم ہو گئے ہیں، لہذا اپنی مردانگی کو ثابت کرنے کے لیے انہوں نے حیدر آباد جنگ ہی میں شادی کی اور اپنی مردانگی کو ثابت کر دکھایا۔ لہذا مرد کی مردانگی بھی عورت کے ذریعے ثابت کی جاتی ہے، اور اس ذریعے سے مرد معاشرے میں عزت و احترام کو حاصل کرتا ہے۔

جب عورت کی حیثیت مال اور شے کی ہوگی تو اس صورت میں ہر حکمران اور دولت مند افراد کی یہ خواہش ہوتی تھی کہ اپنے حرم میں خوب صورت عورتیں آٹھنی کریں۔ اس لیے اگر کسی حکمران کو یہ خبر ملتی تھی کہ کسی دوسرے ملک میں کوئی خوب صورت عورت ہے تو اس کے حصول کے لیے جنگ کی فوج آ جاتی تھی۔ چین آف شروئے سے لے کر ہندوستان میں پادشی جنگوں کا سبب بنیں۔ اس سلسلے میں ایک واقعہ برطانوی افسر سر مالکھم نے اپنی کتاب "وسط ہند کی یادداشتوں" میں لکھا ہے کہ "راجستھان کی ریاست کی ایک خوب صورت شہزادی کے حصول کے

لیے اور لہجہ جنگ کے لیے تیار ہو چکے تھے۔ اس پر شہزادی کے باپ کو
مصلحتوں نے یہ مشورہ دیا کہ چونکہ اس جنگ کا باعث شہزادی ہے اس
لیے اگر شہزادی کو راستے سے جتا دیا جائے تو یہ جنگ اور قتل و غارتگری
رک جاتی ہے۔ اس مشورے پر عمل کرتے ہوئے شہزادی کو زبردستی کر مار

۱۱۱

اس واقعے کا اسیاتی پہلو یہ ہے کہ اس میں شہزادی کو دونوں مداخلوں نے نہیں دیکھا تھا۔ صرف
اس کی خوبصورتی کی شہرت تھی۔ اور یہی خوبصورتی اس کے لیے موت کا پیغام لائی۔ اس
پورے عمل میں مرد کی ہوس کی کوہر وائرام خیرانے کے بجائے سوز و غم جنگ کا التزام عورت پر
لگاتے ہیں اور اسے جنگ کا سبب قرار دیتے ہیں۔

تاریخ میں عورت کا ذکر یہ بھی آتا ہے کہ اس نے اپنی خوبصورتی سے اور اپنی دلربا اور اڑوں
سے حکمرانوں کو اپنے قابو میں کر لیا۔ اس صورت میں عورت اقتدار کی ہوس رکھنے والی اور لوگوں کو
گمراہ کرنے والی نظر آتی ہے۔ اس لیے کچھ مؤرخ اور جہاں کو التزام دیتے ہیں کہ اس نے جہاں تک
اپنے قابو میں کرنا اپنی مرضی کے فیصلے کرائے اور اسی لیے عمل سلطنت میں خرابیاں پیدا ہونا شروع
ہوئیں۔ یہ التزام صرف مشرق ہی میں نہیں بلکہ مغرب کی تاریخ میں بھی ہے۔ جرمنی کے مشہور
سیاست دان اور متحدہ جرمنی کے پہلے چانسلر بسمارک نے پروشیا کی ملکہ کو التزام دیا کہ وہ بادشاہ کو
مجبور کر رہی ہے کہ فرانس سے جنگ نہ کرے۔ جب کہ اس کے نظریے کے مطابق جرمنی کے لیے
یہ جنگ انتہائی ضروری تھی۔ وہ اپنی یادداشتوں میں لکھتا ہے کہ

”وہ تیس سال کا بوزھا ہے، امن پسند ہے، اس کی کوئی خواہش نہیں کہ
۱۸۶۶ء والی عظمت کو ایک نئی جنگ کے ذریعے حاصل کرے۔ اگر وہ
نسوانی اثرات سے آزاد ہوتا تو اس کو احساس ہوتا کہ فریڈرک اعظم اور
پروشیا کے عقیم ہیرو کی اولاد ہے۔“

دو ملکہ کو التزام دیا ہے کہ وہ عورت ہونے کی وجہ سے بادشاہ کو جنگ سے
روکے ہوئے ہے۔ ”مجھے بتایا گیا ہے کہ ملکہ آگست نے ایبٹز سے برلن
جہاں رہے دور در جنگ کی مخالفت کی۔ میں اس خبر کو صحیح سمجھتا ہوں۔“

۱۱۲

سوائے ۴ نمبر ہائے والی بات کے۔

پوری تاریخ میں اگر جنگ مرد کی علامت ہے تو امن پسندی کو عورت سے منسوب کیا جاتا ہے۔
اور امن پسندی کو کمزوری اور بزدلی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ مگر کیا انسانی تاریخ میں جنگ کی
ہوں کیوں، قتل و غارتگری، اور خون ریزی کے بعد انسان کا بار بار امن و آشتی کی طرف لوٹا،
عورت کی فتح نہیں ہے؟

تاریخ میں عورت ملک کی حیثیت سے بھی آتی ہے۔ ہندوستان میں رانیہ سلطنت و چاند بی بی،
انگلستان میں الزبتھ، روس میں کیترائن اور آسٹریا میں لریا۔ مگر عام طور سے مؤرخین ان عورتوں
کی حکومت میں کمزوریاں ڈھونڈتے نظر آتے ہیں اور ریاست کی تمام خرابیوں کو اس کا میسر کو ان
کی سیاست سے بے خبری قرار دیتے ہیں اور اگر ان کے عہد میں کامیابیاں ہوتی ہیں تو اس کا
فائدہ دار ان کے مصلحتوں، جزلوں اور سیاستدانوں کو سمجھاتے ہیں۔

تاریخ میں عورت کا تذکرہ بحیثیت ماں کے بھی آتا ہے، مگر اس حیثیت میں اس کی بڑائی اور
عظمت یہ ہوتی ہے کہ اس نے جہاں، جہاں اور عظیم لوگ پیدا کیے، اور یہ سب عظیم شخصیتیں مردوں
کی ہوتی ہیں، اور جب یہ عظیم مرد تاریخ میں نام پیدا کرتے ہیں تو پھر عورت کو فراموش کر دیا جاتا
ہے۔ عورت کا کام لڑکے پیدا کرنے کے بعد ختم ہو جاتا ہے اور اس کے بعد اس کی شناخت اس
کے لڑکے ہوتے ہیں۔

کبھی کبھی عورت تاریخ میں اس وقت بھی اہم بن کر ابھرتی ہے جب اسے مظلوم بنا کر جنگ کی
جانی ہے اور اس طرح حکمران طبقے اپنے سیاسی و معاشی مفادات کو پورا کرتے ہیں۔ اس کی ایک
مثال عربوں کا سندھ پر حملہ ہے۔ اس حملے کی وجہ بیان کرتے ہوئے یہ کہانی پیش کی جاتی ہے کہ
جب سندھ کے ڈاکوؤں نے کچھ عورتوں و بچوں کو گرفتار کر لیا کہ جو سری لنگا سے عرب جا رہے تھے تو
اس وقت ایک لڑکی نے حاج بن یوسف سے جو بعد کا گورنر تھا فریاد کی تھی۔ یہ فریاد سن کر حاج نے
فوراً فیصلہ کیا کہ سندھ پر حملہ کیا جائے۔ اس پورے واقعے کا دلچسپ پہلو یہ ہے کہ سندھ کی فتح کے
دوران اس کے بعد اس لڑکی کا کوئی تذکرہ نہیں ملتا کہ اس کے ساتھ کیا ہوا؟ اور وہ کہاں گئی؟ کیونکہ
حاصلہ اور فتح کے بعد اس کی ضرورت نہیں رہی تھی اس لیے اسے فراموش کر دیا گیا۔

تاریخ میں عورت کا تذکرہ بطور ملکہ، راجا صاحب اور گانے والی کا آتا ہے۔ اگر وہ ان حیثیتوں

۱۱۵

تاریخ میں تمام برائیوں و خرابیوں کی وجہ عام طور پر رت و روغن میں تفریق دیا جاتا ہے یہ جب کی انفرادی عکس کی نائیکی کہیں کیا جاتا ہے وہ کہہ جاتا ہے۔ سے شراب اور عورت سے تیار کر، یا سسٹم طریقیہ ہے کہ اس میں رت و روغن یا شراب کو کہہ جاتا ہے جس چیز میں ہیں، عورت کو بھی ان کے ساتھ شامل کر لیا جاتا ہے جو کہ پاشور اور حساس ہے اور اس سے اس کے جذبات اور احساسات کو جاننا مردی ہے مگر ہم خیال و نور کہتے ہیں۔ شراب کے استعمال کرے والے کو اثرات پہنچا دیتے۔

پھر مرد نے تاریخ کے جو نظریات تشکیل دیئے ہیں اور تاریخ لکھنے کا جو خاکہ بنایا ہے اس میں جنگ و جدل اور قتل و غارت گری کی بڑی اہمیت ہے۔ اس لیے شجاعت و بہادری اور جنگجو بنے ملا جلتوں کی تعریف و توصیف ہوتی ہے، اور اس کے مقابلے میں امن پسندی و صلح چوکی کو سوانی خصوصیات قرار دے کر ان کا مذاق اڑایا جاتا ہے۔ اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ مرد گر جنگ کا خائن و سحر ہوا عورت اس کے مقابلے میں امن پسند رہی۔

اس طرح تاریخ میں عورت کا جو مجموعی تاثر بننا ہے وہ یہ ہے کہ اس کی اپنی عہد و ذات ہیں ہے۔ وہ تاریخ میں محض ایک شے کی مانند ہے کہ جسے مرد نے اپنی خواہشات و مقاصد کے تحت استعمال کیا ہے۔ اس طرح تاریخ کی اس تعبیر سے مرد عقیم بن کر ابھرتا ہے کہ جو غیر عورت کی شرکت کے بغیر تاریخ کے قلم کو آگے بڑھاتا نظر آتا ہے اور عورت تاریخ کے اس قلم میں مرد کی تالی اور قلم ہے۔ وہ اس راستے پر چلنے پر مجبور ہے کہ جو مرد نے اس کے لیے متعین کر دیا ہے۔ مگر چودہ جنگ سے نفرت کرتی ہے مگر مرد کی خوشی کی خاطر وہ اپنے بچوں کو جنگ میں قربان ہونے کے لیے خوشی خوشی بھیج دیتی ہے۔ جس کی تازہ مثال عراق اور ایران کی جنگیں ہیں، کہ جس میں ذرا کو پے لڑکوں کی شہادت پر خوش ہوتے دکھایا گیا ہے اور ان کی اس خوشی کے نیچے غم، دکھ، رونا و روت ہے اسے محسوس کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی۔ اس سے یہ نتائج ہیں کہ عورت کی اپنی شخصیت ختم ہو گئی اور اس نے خود کو مرد کی ذات میں ضم کر دیا۔ نہیں اس کی پہلی ذات اور وجود مقرر رہتا ہے، مگر چھپا ہوا۔ کئی تہوں کے نیچے دوسری جاتی ہوئی روایات و اقدار اور اداؤں کے درمیان کھوئی ہوئی اور گم شدہ ذات ہے۔

اس لیے موجودہ تاریخ اور اس کے کریم ورک میں عورت کی کوئی حیثیت نہیں، اور اس سے یہ

تاریخ میں کے لیے بے معنی ہے، اگر وہ اپنی جدوجہد کے لیے ماضی کی طرف رخ کرے تو وہ تاریخ سے غائب نظر آتی ہے۔ اس میں اس کا وجود کس ہے ماضی کے لیے یہ تاریخ اسے جدوجہد اور حقوق کی جنگ کے لیے کچھ نہیں دے سکتی۔ اس تاریخ میں عورت کے لیے کچھ نہیں کہ جس سے وہ متاثر ہو سکے اور جس کے ماضی کو وہ ماضی کی جدوجہد سے مسلک کر سکے۔

اس لیے عورتوں کو تاریخ کی تشکیل سے سرے سے کرنا ہوگی، اور مردوں کی تاریخ کے اصول و سوچ و نظریات، اور اس کی تشریح بدلتا ہوگی، اور اس تاریخ کے ذخیرے سے اسے اپنی گم شدہ ذات کو اظہار کرنا ہوگا۔ وہ ذات جو کہ مرد کے بنائے ہوئے اصولوں میں کھوئی ہوئی ہے۔ اسے تاریخ میں اپنے کردار کو ابھارنا ہوگا اور اس جدوجہد میں ان تمام قدروں اور روایات کو بدلنا ہوگا کہ جو اس کی دشمن ہیں اور جنہوں سے اس کے وجود کو داغے ہوئے رکھا ہے اور ان تمام پہلوؤں کو اجاگر کرنا ہوگا کہ جن کی کوئی اہمیت نہیں اور جنہیں بے کار سمجھ کر نظر انداز کر دیا گیا ہے کیونکہ اس ہی میں عورت کی اہمیت چھپی ہوئی ہے۔

عورت کا سب سے بڑا کام یہ ہے کہ وہ تخلیق کرتی ہے اور تخلیق کا یہ عمل ہے جو کائنات کو زخم و زکے ہونے ہے۔ اس لیے امریکہ میں ایزنگ تھریپ میں روزہ کو عورت کی جنگ سمجھا جاتا تھا اور عورت اس جنگ میں مرجانی تھی سے شہید کا درجہ دیا جاتا تھا۔ عورت کی تاریخ بنانے کے برعکس میں شرکت ہے۔ اگرچہ اس کی اس شرکت کو غیر اہم قرار دے کر اس کی اہمیت کو گھٹا دیا گیا ہے۔ مگر عورت مرد کو عادی ضرورتوں سے بے نیاز نہیں کرتی کہ جس میں اولیت کھیلے کام ہیں۔ تو کیا اس کے لیے ممکن ہوتا کہ وہ بے فکر ہو کر بہت و انتظام، ادب و شاعری میں کوئی کام نہ سرعام دے سکتا۔ اس لیے عورت کو تاریخ میں اپنی شرکت کو جا کر کرنا ہے اور اپنے کام کی اہمیت کو واضح کرنا ہے۔

اور عورت کو یہ بھی دیکھنا ہوگا کہ وہ کون سے حالات تھے جن میں مرد نے اس کی ذات پر ظلم کیا اور اسے اپنا تابع بنایا اور اب کس طرح سے ان حالات کو بدلنا ہوگا اور خود کو آزاد کر کے اپنی شناخت قائم کرنا ہوگی۔

اس کے لیے یہ ضروری ہوگا کہ تاریخ کے ذخائر کو بدلا جائے کیونکہ ہماری تاریخ پر اب تک سیاست کا قبضہ ہے اور تاریخ جنگ، سیاست اور سیاست کے انتظامی امور کے بارے میں

ہے۔ مگر اس کے مقابلے میں سماجی و ثقافتی اور معاشی اثرات میں عورت کا بڑا حصہ ہے۔ سماج کی زندگی کو کھینچ دھکام، آرائش و سہاس، انحرافات، رسومات اور رسوم و عیسویہ اور یہ سب سماج کو بنایا جائے گا تو تاریخ کی ہیئت و شکل بدل جائے گی۔ ۲۰ ویں صدی میں عورت کی شہرت سے بڑے ماس بدستہ جانے لگا۔ اس سے نہ صرف ماضی وسیاق ہوگا، بلکہ ہم تاریخ اور ماضی کو سترہویں صدی کے کچھ پیش کیے اور ان اثرات کا جائزہ لے سکیں گے کہ کچھ ثقافتی و سماجی اثرات سے معاشرے میں پیدا ہوئے۔ عورت کی اہمیت کو اجاگر کر کے اسے بڑے تاریخ نگار کے وقت میں لایا۔ یہ بڑے بڑے عورت

حوالہ جات

۴۔ ایضاً ملاحظہ

۴۳۔ ایضاً: ۹۳

۶۔ *Sexism*، *Monism*، *میں*

نہ چہ تحریری تاریخ تو مردوں کی تاریخ ہے مگر جیسے جیسے قدم قدم پہوں کے آثار دریافت ہو رہے ہیں، ویسے ویسے یہ بات ثابت ہو رہی ہے کہ اس شرے میں مرد کی موجودہ حیثیت ہمیشہ سے نہیں تھی اور اس کا یہ تسلط اور برتری آہستہ آہستہ تاریخی عمل کے ساتھ قائم ہوئی ہے۔ قدیم تاریخ کے ان آثار و شواہد سے یہ بات ثابت ہو گئی ہے کہ بتلا میں ماوراء النہد نظام راج تھا اور اس زمانے میں عورت معاشرے کی سب سے زیادہ متحرک اور فعال قوت تھی کہ جس نے جلد ہی وہ تمدن کو آگے بڑھانے میں اپنی ذہانت اور صلاحیتوں کو استعمال کیا۔

نے اس عمل کو سمجھنے کی کوشش کی ہے کہ کس طرح نسائی ذہن وقت کے ساتھ ساتھ بدستور رہا تھا اور ترقی کر رہا تھا اور کس طرح سے وہ رہ رہتے کے لیے فطرت کے چیلنجوں کا مقابلہ کر رہا تھا۔ سب سے پہلے انسان نے خود اپنے جسم اور اپنے جسم کے مختلف اعضاء کو اپنی حفاظت کے لیے استعمال کیا اور جب اسے اپنے اعضاء کی اہمیت کا احساس ہوا تو اس نے انہیں نقل کرتے ہوئے محنت کے اوزار بنائے۔ مثلاً ہتھوڑا کے کی شکل، نیزہ پاروں کی طرح، موچنا انگلیوں کی مانند اور تک صورت کے پستان کی طرح تھے۔ اس ابتدائی تہذیبی دور میں عورت نے ماں کی حیثیت سے حفاظت کرنا، احیاء کرنا اور اشیاء کو محفوظ کرنے کا کام کیا۔ اس لیے عورت نے نوکری، صندوق، دھنکی، دور، کچر کی ایجادات کیں۔ اس نے گھر کی دیکھ بھال کے ساتھ ساتھ آگ کو محفوظ رکھا، باغبانی کرتا، بھروسہ کو جمع کرنا اور جڑیں کاٹنے کا کام کیا۔

اور یہ عورت ہی کا کارنامہ ہے کہ اس نے سب سے پہلے جس جانور کو سداۓ حیات دیا وہ مرد تھا۔ کیونکہ جب مرد کو حیثیت ملی تو اس کا نیک محکا نہ ہوا، جب وہ شکار کی جگہ سے بھوکا، پیاسا، تھکا ہارا، اہل آنا تو اسے چھت کے نیچے آرام و سکون اور کھانا ملتا۔ یہ سب عورت کی وجہ سے ممکن ہوا۔

نویں صلیک دور کے جو مٹی کے برتن ملے ہیں وہ عورت کی شکل کے ہیں، تو اس کا چہرہ ہے یا پورا جسم۔ یہ اس بات کی علامت ہے کہ عورت کی سماج میں اتنی ہی اہمیت تھی جتنی کہ برتن کی۔ کیونکہ برتن روزمرہ کی زندگی میں چیزوں کی حفاظت کا کام کرتا ہے۔

دوسری طرف ان برتنوں کی ایجاد کے بعد عورت کی محنت میں کمی آگئی کیونکہ وہ اب ان برتنوں میں چیزیں محفوظ کر کے رکھنے لگی اور اس کے بعد ہی اسے آہیہ اور کھانا پکانا ممکن ہوا۔ اب تک بہت سے محاسروں میں برتن عورت سے منسوب ہیں۔

بہت سے دیو مالائی قصوں میں برتن اور آگ کی دریافت عورت سے منسوب ہے۔ اس کے علاوہ بھی اور بہت سی چیزیں کہ جن کے بارے میں یقین سے نہیں کہا جاسکتا کہ وہ مکمل طور پر عورتوں کی ایجاد ہیں یا اس میں ان کی شرکت ہے مثلاً عورتوں کی قبروں سے جو چیزیں ملی ہیں ان میں فصل کاٹنے کی دھاتی، آٹا پیسنے کا چتر، نیچے اور کلا شامل ہیں۔ یونان سے کے رہائیں تک دیو مالائی قصوں میں عورت کو درخت اور کپڑا بننے کا ہائی قرار دیا جاتا ہے۔ گھروں کی تعمیر اور گاؤں کو آباد کرنے میں بھی عورت کی سرگرمیوں کو بڑا دخل ہے۔ اس کے برعکس چھروں کو پکھنا کرنا، اس

سے تھکنا، کشتی بنانا وغیرہ مردوں کے کام تھے۔ دن دنوں کا سونے کے لڑکے کی وجہ سے عورت و مرد کے کرداروں میں فرق آ گیا۔ عورت تخلیق، پیداؤں اور زندگی کی علامت بن گئی تو مرد تباہی و تخریب اور موت کا۔

چونکہ زراعت عورت کی ایجاد تھی۔ اس لیے روٹی معاشرے میں عورت اور عورت کی علامت بن گئی۔ جس طرح زمین پیداوار کے ذریعے، انسان کو غذا فراہم کرتی ہے اس طرح عورت بچے پیدا کر کے انسانی آبادی میں اضافہ کرتی ہے کہ جو اس وقت بہت ضروری تھا۔ اس لیے عورت پر تنگ ورنجیری کی دیوئی من کر ابھری۔ قدیم معاشروں میں جب کبھی خطر و خشک سالی آتی تھی، روز میں بھر ہو جاتی تھی تو اس وقت عورتیں ہی مختلف رسومات، دعا کرتی تھیں کہ جن میں مردوں کی شمولیت نہیں ہوتی تھی۔ عورت اور زندگی کا تعلق اس قدر قریبی تھا کہ مرد نے والے کو دین کرنے کے لیے قبر میں اس طرح لاتے ہیں جیسے کہ وہ دم دہر میں ہوا اور اس کو دوبارہ ایسے ہی قبر سے پیدا ہوتا ہے۔ جیسے کہ وہ اس کے پیٹ سے پیدا ہوا تھا۔

ابتداء کی روائتی زمانے میں عورت کی اس اہمیت کی وجہ سے، ماورائے معاشرہ کا کام رہا اور عورتیں قبیلوں کی سربراہ تھیں اور ان ہی کے نام سے نسل جاتی رہی۔ اس کی وارث اس کی لڑکیاں ہوتی تھیں، اور چونکہ آپ کے دوسرے میں پتہ نہیں ہوتا تھا اس لیے ماں کے ذریعے ہی سے خاندانی سلسلہ چلتا تھا۔ زمین اور مکان مشترک ملکیت ہوتے تھے۔ معاشرے میں، بہن بھائی کا رشتہ منسوب ہوتا تھا، چونکہ شوہر دوسرے قبیلے سے آتا تھا اس لیے وہ انجینی ہوتا تھا۔ عورتیں کی کئی شوہر رکھتی تھیں، ایک مرد کے ساتھ رہنے کی عادت نہیں تھی۔

اس لیے اس دور میں جو مذہبی عقائد اور روایات پیدا ہوئیں ان میں بڑا دلچسپ دیو دیوں کا ہے۔ یونانیوں کی دیوی آرتمیز (Artemis) تھی جو بعد میں ڈیانا بن گئی اور رومی سماجیت میں اس نے ریمہ کی شکل اختیار کر لی۔

ہندوستان میں ہون کا تہوار اس دور کی یاد ہے کہ جب عورت قبیلے کی سربراہ ہوتی تھی۔ اب رقت کا تہذیبی کی وجہ سے مردوں نے اس کی رسومات میں حصہ لینا شروع کر دیا۔ مگر وہ مرد جو آگ کے گرد چلتا ہے وہ عورتوں کا لباس پہنتا ہے۔ ہنگوڑ میں موگا کے سار، دتہ پور کے سورج پرہوم میں شریک پیشوا کو زانہ لباس پہننا پڑتا ہے۔ اس طرح اور بہت سی رسوم میں مرد و زنانہ لباس کا مین کر

[illegible]

ایک غروم نے عورت و مرد کی اہمیت اور ان کے ذہن کی کشمکش کو ان لوگوں کے فرق کو سمجھانے کے
 معاشرے میں بڑی عمدگی سے واضح کیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ عورت سچے پیدا کرتی ہے تولید کے
 مادے کو رحم میں رکھتی ہے پھر ان کی پرورش کرتی ہے اس لیے وہ حضرت کے قریب ہوتی ہے اس

پہراندہ معاشرے کی صحیح عکاسی یہ ہوتی ہے جس میں ان کا خدا سب قوموں کو اپنا
بھائی نہیں سمجھتا ہے بلکہ اس کی نظر میں صرف یہودی پسندیدہ ہیں۔ اس لیے پسندیدہ قوم کو یہ حق مل
جاتا ہے کہ وہ دوسری اقوام کو کم تر سمجھیں، انھیں ظلام بنا دیں اور انھیں قتل کریں۔ لہذا پہراندہ معاشرہ
سادات کی جگہ برتری اور آخرت کو ترجیح دیتا ہے عہدہ مقصدیم میں انسان کا تعلق زمین سے بھی
توڑ گیا، اور انسانی تاریخ کی رجحان جنت سے لٹکا لے جانے سے شروع ہوئی، یہی دھرتی سے انسان
کو جدا کر دیتی ہے۔ یہودی غیوروں کی تعلیمات میں زمین اور فطرت سے محبت کو نسخ کیا گیا ہے، اور کہہ گیا
ہے کہ جو قوم مثل اور انصاف کے اصولوں سے مددگار والی کرتی ہے، اس کا تعلق زمین اور فطرت
سے ہوتا ہے۔ اس لیے قوم کی حجات اس میں ہے کہ محض حق کے اصولوں پر عمل کرے اور پنا تعلق
زمین اور فطرت سے مددگار ہے۔

پروٹسٹنٹ اور کاتھولک ازم نے عہد نامہ قدیم کے پدارتھ نظام کو دوبارہ سے نافذ کیا۔ اس میں خدا کا تصور تیار و جبار و دستخت گیر کا ہے کہ جو محض اطاعت و عبادت سے خوش ہوتا ہے۔

مساحت، مردوں کا نفوس، سب دینی، روشِ حیات، مہارت، شہرت میں وہ سب میں
 نفرت کا سب کے لیے حصہ تھا۔ جب کہ پھر شہر میں آمدیت مصلحت، ان کی فاشم
 اور غروریت پر کی و فحش ہو۔ اس میں اس ذہنیت میں جو میں کہ جس فحش کا تعلق قبیحہ
 برادری سے ہے وہ اس کو شک و شبہ و نفرت سے اکٹھا چائے۔ ان جذبات نے قوم پرستی و سل
 پرستی کو پیدا کیا۔^{۱۲}

خود سچاوت

- ۱۔ گھوٹل چائفلڈ 'تاریخیں کرہا' اور دوسرے (کرہی، ۱۹۸۷ء) میں ۱۰۰
- ۲۔ "عمر میں تاریخیں" (کرہی)
- ۳۔ رسل "عصر مغرب کی تاریخ" (انگریزی، (نیشنل) میں ۳۶-۳۷
- ۴۔ ڈی۔ ڈی۔ کوہلی، "قدیم ہندوستان کی ثقافت و تہذیب" (۱۹۷۱ء) میں ۷۴-۷۵
- ۵۔ "تاریخ میں کیا ہوا؟" میں ۹۵-۱۰۰
- ۶۔ ایچ۔ ک۔ راجہ، "سکھت مندو معاشرہ" اور دوسرے (۱۹۹۱ء) میں ۵۱-۵۲

عورت کی شکست

ایک طویل تاریخی عمل کے نتیجے میں مادی نظام کو شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ جیسے جیسے جسمانی طاقت
 و قوت کا استعمال بڑھتا چلا گیا۔ ایسے ایسے مرد کی برتری قائم ہوتے چلے گئے اور عورت کا سماجی مرتبہ گرتا
 چلا گیا۔ نیزنگز سے اپنی کتاب "خاندان، نجی ملکیت اور ریاست" میں اس پر اسے عمل کی بد سے
 عالم نشہ دہانہ میں وضاحت کی ہے کہ کس طرح سے ان تہذیبوں کے پیچھے میں انسانی تہذیب و
 تمدن اور ایات اور ادارے مرد کے تابع ہو گئے اور ان کی ملکیت نے عورت کی آزادی اور خود مختاری کو
 ختم کر دیا اور وہ بھی بالآخر ان کی ملکیت کا ایک حصہ بن کر رہ گئی۔ اس کی سب سے پہلی نشانی تو یہ تھی کہ
 عورت صرف ایک مرد کے لیے مخصوص ہو کر رہ گئی۔ جب کہ مرد کو یہ حق حاصل ہو گیا کہ وہ کئی بیویاں
 رکھ سکتا ہے۔ اس کا واحد مقصد یہ تھا کہ خاندان کے اندر مرد کی حکمرانی ہو اور وہ بچے پیدا کرے جو
 صرف اس کے بیٹے سے ہوں تاکہ وہ اس کے وارث بن سکیں۔ اننگز لکھتا ہے کہ "تاریخ میں
 ایک ذہنی شوق مرد اور عورت کی مصالحت کا نتیجہ تھی اور نہ شادی کی اصل شکل۔ اس سے برعکس وہ
 عورتوں پر مردوں کے تسلط کا اظہار تھا۔"^{۱۳}

ایک روایت کے ساتھ شادی شدہ یا ملکیت شدہ عورت کا دوسرے سے کسی تعلق رکھنا اجازت
 اور گناہ بن گیا اور اس کے لیے سخت سزائیں مقرر ہو گئیں، اگرچہ ان سزاؤں کے باوجود اس کو ختم
 نہیں کیا جاسکتا۔^{۱۴}

نجی ملکیت کے ادوارے کو محفوظ رکھنے اور سے مضبوط بنانے کی خاطر شادیاں مصالحتوں اور
 مصالحت کی خاطر ہونے لگیں۔ اس لیے شادیوں میں محبت اور جذبات کم ہوتے تھے اور نفسِ نبوکیا

نہایت ہی عجیب و غریب تھا کہ اس نے اس کے لیے ایک عورت کا انتخاب کیا جس کا نام "سورہ" تھا۔

یہ نئی تاریخ کے ابتدائی دور میں عورت سرگرم عمل نظر آتی ہے، لیکن بعد کے دور میں وہ چنانچہ عاصب ہو چکی ہے۔ مثلاً ہیراؤٹس کی تاریخ میں عورت ہر جگہ ہے، مگر تھیوفیل انڈس کی تاریخ میں اس کا کوئی ذکر نہیں۔ اس وقت تک عورت گھر کی چار دیواری میں مقید ہو کر اپنا تمام ملاحظہ کو کھینچ لی تھی۔ عورت شادی کے بعد شوہر کے گھر جاتی تھی، اور اس کے ساتھ ہی اس کے مال اور باپ کے گھر لے کر وہاں تعلقات ختم ہو جاتے تھے۔ اس کو اس قسم کے کوئی اختیار نہیں تھا۔ کسی سے کون معاہدہ کرے یا قسم سے مشورہ دے یا کسی سے کون سا قانون کے تحت اگر کوئی عمل عورت کے ذریعہ کرنا چاہے تو اس کی کوئی قانونی حیثیت نہیں ہوگی۔ بس اس کا شوہر ہر مرتبہ تو وہ اس کی جائیداد کی وارث نہیں ہو سکتی تھی۔ اگر اس بات کو تسلیم کر لیا جاتا کہ عورت بچے کی حقیقت میں زیادہ کردار ادا کرتی ہے تو اس سے اس کا سماجی رتبہ بڑھ جاتا، اس لیے یہ نام میں مرد و بچے کی تعلیم کا دے دے اور سمجھا جاتا تھا اور عورت کے بارے میں یہ خیال تھا کہ وہ محض بچے کی پرورش کرتی ہے۔ عورت کو بچے کا پالنے والا کے لیے یہ کہنا تھا کہ اپنی عمر سے کم عورت سے شادی کرنا تھا تاکہ وہ اسے اپنی مرضی کے مطابق ڈھال سکے۔

رومی عہد میں بھی عورت کا سماجی مرتبہ گرا ہوا ہی رہا، اور اس کا سب سے بڑا کام یہ سمجھا جاتا تھا کہ وہ بچوں کو دیکھ بھال دے۔ اس وقت چونکہ اوسط عمر ۲۵ سال ہوتی تھی۔ اس لیے جلدی شادی کا رواج تھا۔ ایک عورت کم از کم ۵ بچے پیدا کرتی تھی اور اس کی شادی عموماً ۱۴ سال کی عمر میں ہو جاتی تھی اور ۲۳ سال تک وہ بچے پیدا کر کے پالا کام ختم کر لیتی تھی۔

زیادہ بچے پیدا کرنا وقت کی ضرورت تھی۔ کیونکہ آبادی کے لیے ضروری تھا کہ لوگ زیادہ ہوں۔ اس لیے شوہر ہاویوں، کھیتوں میں کسان ہوں، اناج میں سپاہی ہوں، جھلات میں غلام ہوں اور حکومت میں عہدے دار ہوں۔ اگر آبادی نہیں بڑھی تو شوہر ویران ہو جائیں گے، کھیت خیر ہو جائیں گے اور ساری مچل پھل ختم ہو کر ویران اور اداس ہو جائے گی۔ اس لیے اس بات کا رویہ میں شدت سے احساس تھا کہ انسانی زندگی موت کے ذریعے ختم نہیں ہونی چاہیے۔ بلکہ بچوں کی مسلسل پیدائش کے ذریعے اسے جاری رہنا چاہیے۔

لیکن بچوں کی پیدائش کی خدمت کے ذریعے بھی عورت کے لیے اس کا دلچسپ زندگی نہیں ہو سکتی تھی۔ عورت کی تعلیم کے لیے اس میں مرد کی تشکیل میں زیادہ گہری اور توانائی دیا جاتا تھا جو عورت کے لیے اس وقت اور وقتاً مناسب تھا حال کا بتاتی ہے۔ اس کے برعکس عورت کی تشکیل میں گہری اور توانائی کی کمی ہوتی ہے اس لیے وہ نرم اور نازک ہوتی ہے۔ اس لحاظ سے عورت مرد کی بگڑی ہوئی شکل ہوتی ہے۔

اس لیے وہ مردوں کو یہ مشورہ دیتا ہے کہ وہ اپنے میں سے عورتوں کی صفات کو ختم کر دیں۔ کیونکہ یہ صفات اس نے کردار میں نزاکت پیدا کر دیں گی اور اس سے یہ ظاہر ہوگا کہ ان میں سوانحیت کے کچھ حراشیم باقی رہ گئے ہیں۔ اس لیے دوسری صدی عیسوی میں شہر کے حکام نے مردوں سے چھپنے کے لیے عورتوں کو کہتے تھے کہ ان کے بولنے کے انداز کو جانچنے کی ضرورت ہے۔ چھپا ہوا مرد عورتوں سے بدولگتے۔ ان میں کتنی سادہ سہولت ہے۔

کردار کے اس فرق کی وجہ سے مرد میں رگم اور عورت میں رگم کو کرورن کی بدھتیاں پیدا ہوتی ہیں اور اس کے لیے لاری سمجھا جاتا تھا کہ وہ درشت، سخت اور ظالم ہو۔ عورتوں سے حکمرانوں کے لیے یہ صفت مردی تھی۔

رومی عہد میں عورت بالکل مرد کے زیر اثر تھی، اس لیے یونان کے شوہر کو نصیحت کرتے ہوئے کہا کہ وہ زیادہ عورت کو اپنی گہرائی میں رکھے، ورنہ وہ بے کار کی عادتوں کا شکار ہو جائے گی۔ اسے ساتھ میں لے کر نکالے ورنہ وہ اکیلے میں بہت کھائے گی، شوہر کے دلچسپوں کی بہت کم عمری اور قوت میں مبتلا ہو جائے گی۔

یہودیہ ریسرچر نے بتاتے ہیں کہ عورت کا سماجی طور پر اس گہرائی کی ضرورت میں شہر سے کہا گیا ہے کہ وہ اپنی بیوی سے ایسے خطاب کرے جیسے اس سے اس کا شوہر بہت سے کرتا ہے۔ شوہر کو یہ بھی دیا گیا کہ وہ جب چاہے بیوی کو غلامی دے دے۔ مگر عورت کو مرد سے ملنے کی کوئی حق نہیں تھا۔ مگر عورت سے بے وفائی ہو جائے تو اسے ایک سنگین جرم سمجھا جاتا تھا۔ اگر اس پر رونا تابوت ہو جائے تو اسے سنگسار کر دیا جاتا تھا۔ اگر بچہ پیدا نہیں ہوتا تو اسے مار دیا جاتا تھا۔ عورت پر اس قسم کا بے وفائی کی حد تک سختی تھی کہ اسے شوہر سے بے وفائی کی حد تک سختی تھی۔

یہودیت میں عورت گناہ کی طرف رغب کرنے والی تھی اس لیے یہودیوں میں ایسے فرقے بھی تھے جو عورتوں سے دور رہتے تھے اور ان کی پادریاں صرف مردوں کے لیے مخصوص تھیں۔ ان کا خیال تھا کہ عورت شہوت اور قیامت پیدا کرتی ہے اور اس لیے ہنگامے بوسہ کا باعث ہوتی ہے۔ یہودیوں نے شادی بیاہ نے جو صوں بنائے تھے اس میں سے ہم نہ تھے غیر یہودیوں سے شادی صورت تھی، قریبی رشتے داروں سے شادی کی مخالفت کی جاتی تھی۔ عورتوں کو باہوری کے نام میں ملحدہ رکھا جاتا تھا۔ ایک سے زیادہ شادی کرنا بد تصور ہوتا تھا اور جنسی آزادی کی مخالفت کی جاتی تھی۔

عورتوں کے لیے ایک یہودی رہی کا کہنا تھا کہ "عورت کو خاموشی سے خدمت گزار کی سیکھنا چاہیے، سے توجہ دینا چاہیے نہ آدلی پر حکم چلانا چاہیے اس کی مضرت صرف اس میں ہے کہ وہ راہ سے زیادہ بچے پیدا کرے۔"

عورتوں کے بارے میں بھی خیالات عیسائیت میں تھے، مشہور عیسائی وینسینٹ پول نے عورت کو لکھتے کرتے ہوئے کہا کہ "عورت کو لوگوں کے درمیان ٹکس بولنا چاہیے اور نہ چلنا، پناہ نہ کھونا چاہیے۔ اس کے برعکس مرد کو نہ ٹکس ڈھکنا چاہیے۔ کیونکہ وہ خدا کی شان کا مظہر ہے۔ جبکہ عورت مرد کی شان کی مظہر ہے۔ نہ ہی عقیدے کی رو سے مرد کو عورت پر اس لیے بھی فوقیت ہے کہ آدم کو خدا نے پہلے تخلیق کیا اور پھر عورت کو اور جب شیطان نے دھوکہ دیا چاہا تو آدم اس کے دھوکے میں نہیں آیا، بلکہ چلا آگئی۔ اس لیے وہ بھی عورت کی نعمت کے لیے ضروری سمجھنے میں کہ وہ بچے بننے اور ہاضمت دہتے ہوئے محبت و تفکس کو برقرار رکھے۔"

چرچ کے ادیباء نے عورت کی بیسندگی کو بڑھانے میں رد کیا "مرد پر" اور اس سے عورت کے کردار کو سچی، کمزور اور سے دماغی طور پر غیر مستقل مزاج قرار دیا۔ (Tertullian) نے کہا کہ "کیا تمہیں معلوم نہیں کہ تم بھائی کا دروازہ ہو۔ تم آسانی سے مرد کو جو خدا کا مظہر ہے سے متاثر کر سکتی ہو۔"

جس کو انانے ۱۱۳۱ء میں صدی میں اوسلو کے فلسفے اور مذہب کی بنیاد پر عورت کے مرتبے کو اور گھٹا دیا۔ اوسلو کی دلیل تھی کہ "عورت مرد کی سطح شدہ صورت ہے اور عورت بچہ پیدا کرنے میں کوئی کردار ادا نہیں کرتی وہ صرف مادہ پیدا کرتی ہے، جب کہ ہیئت باپ دیتا ہے۔ اس لیے بچہ

کو اس سے زیادہ باپ سے محبت کرنی چاہیے۔ وہ اس بات کا بھی مخالف تھا کہ عورت کو مذہبی مسئلوں میں شامل نہ ہے۔

لہذا ایک مرتبہ جب عورت یونان اور روم کی جڑیں کی قوم کے لیے یہ ضروری ہوا کہ اس کی تربیت کرے اس کی تگمائی کرے اور اس کے تمام اعمال کی دیکھ بھال کرے۔ ۱۵۲۳ء میں چرچ کے ایک ماہر تعلیم نے عورتوں کی تربیت کے بارے میں اظہار خیال کرتے ہوئے کہا تھا کہ "ابتدائی عمر میں کہ جب بچے بولنا اور چمکانا سیکھیں تو لڑکیوں کو لڑکوں سے علیحدہ کھیلنا چاہیے، لڑکوں کو ان سے دور رکھنا چاہیے تاکہ وہ ان کے دیکھنے کی عادت نہ ہو جائیں۔ لڑکیوں کو ایسے نہیں کی عادت ڈالنی چاہیے جو آگے چل کر ان کے کام آئیں۔ انہیں کھانے پکانے کے برتن اور کھلونے دینا چاہئیں تاکہ انہیں ان کا شوق ہو دے۔" گے جمل کے بار میں یہ دوسے ماہر وچسپی میں۔ لڑکیوں کو تھوڑے بہت پڑھنا سکھانا سکھانا نہیں پڑے۔ دروس بننے نہ تربیت دینی چاہیے۔ خاص طور سے کھانا پکانا پسند چاہیے۔

عورتوں کو مذہبی علماء اور پستروں کی زندگیوں کے عادت پڑھنا چاہئیں یا بائبل سے تاریخ و اخلاقی واقعات۔ اس کو نہیں بھولنا چاہیے کہ سینٹ پول نے بارہویہ عورتوں کو چرچ کے عہدوں سے محروم نہیں کیا تھا۔ اسی لیے عورت کو چاہیے کہ وہ خود کو شوہر کی رحمت سمجھے، خاموشی رہے، کیونکہ اس میں اس کی روحانی اور جسمانی بھلائی ہے۔"

عورت کی صحیح تربیت کے لیے پیرا بیت کے مذہبی ۱۲۰۰ یہ سمجھتے تھے کہ اسے ہر قسم کی مجلس سے دور رکھا جائے، کیونکہ یہ سماجی اور اخلاقی مواقع اس کو آزاد خیال اور بے حیاء بنانے میں مدد دیتے ہیں۔ قبرص کے ایک ہشپ نے تقریباً ۲۰۰۰ء میں ان خیالات کا اظہار کیا تھا۔

"یہ شادی بیاہ کی تقریبات میں شریک ہونے پر شرمندہ نہیں ہوتی ہیں اور ایک ایسے جسے میں کہ جہاں شہوت پرستانہ اور غیر پاکیزہ گفتگو ہوتی ہے،

اس میں یہ شامل ہوتی ہیں اور وہ سنی ہیں کہ جو نہیں ملتا چاہیے اور وہ کتنی ہیں کہ جو میرا غلطی ہے۔ یہ اپنے آپ کی نمائش کرتی ہیں اور غیر شائستہ گفتگو و بد بازی میں پیش پیش رہتی ہیں کہ جس سے شہرت پیدا ہوئی ہے۔

دعوت کے پیش اور میک آپ کے خلاف تھے، کیونکہ ان کے خیال میں میک آپ کے عورت فطرت کے ساتھ مذاق کرتی ہے، اسے سعادت سے حس طرح پیدا کیا ہے اسی طرح رے اور خود کو بتانے اور سنوارنے کی کوشش نہیں کرے

جرح کی جانب سے عورت کی برائیاں اس قدر بیان کی گئیں کہ نفسیاتی طور پر عورت خود اپنی ذات سے شرمندہ ہونے لگی اور اس خیال سے کہ وہ گناہ برداری اور خرابی کی وجہ ہے اور دنیا میں تمام برائیاں اس کی وجہ سے ہیں، وہ اس کا کفارہ داکر کرنے میں لگی رہی اور صورت حال یہ ہو گئی کہ وہ اپنی خوب صورتی، اپنے لباس اور اپنی زینت و زینت پر شرمندہ ہونے لگی کیونکہ وہ یہ سمجھتی تھی کہ اس سے لوگوں کو گناہ کے لیے درگاہ جاتا ہے۔

سولہویں اور سترہویں صدیوں میں یورپ کے معاشرے میں نئی تبدیلیاں آ رہی تھیں۔ رواجی معاشرے میں عورتیں پیداواری عمل میں بہت حصہ لیتی تھیں۔ کھیتی باڑی، مویشیوں کی دیکھ بھال سے لے کر تاج کی تیاری میں ان کو بہت دخل ہوتا تھا۔ مگر سرمایہ داری کی بنیاد کے بعد پیداواری ذرائع آہستہ آہستہ محروموں کے پاس آ گئے۔ اس زمانے میں طب میں نئے اضافے ہوئے، بہت وچ نئے طبی تھنل کی سرپرستی کی جس کی وجہ سے جن عورتوں نے علم پر جس بہت تک عورتوں کا قصہ تھا وہ ختم ہو گیا۔ اسی طرح سے پن بجٹ، منصف پر عورتوں کا قصہ تھا۔ عورتیں اپنے حاکماتی تھنل اور ماہی کا خان تھنل میں بیٹے اور عورتیں جڑ جڑ جاتے رہیں مگر انھیں وہ (spinster) کہلاتی تھیں۔ یہ لفظ اب ان عورتوں کے لیے استعمال ہوتا ہے کہ جو عہد شادی شدہ ہوں اور زیادہ عمر کو پہنچ چکیں۔ لہذا جب لوگ آگے بڑھیں تو یہ جس سے کار نکلیں۔

عورتوں کے کاموں میں سے اہم کام بیکر اور شراب کشید کرتا بھی تھا لیکن جب حکومت شراب کشید کرنا اور اسے فروخت کرنا چھین کر دینے لگی تو اس کی وجہ سے عورتیں اس روزی سے بھی محروم ہو گئیں۔

عورتوں کی اس گرتی ہوئی سماجی حالت کے ساتھ ساتھ یہ بھی ہوا کہ معاشی، جراثیم کی وجہ سے کم آمدنی سے تعلق رکھنے والے طبقوں میں یا تو دیر سے شادی ہوتی تھی اور یا وہ شادی کرنے کے قابل نہیں ہوتے تھے کہ جس سے میراث کی شدہ عورتوں اور مردوں کی تعداد میں اضافہ ہو گیا۔ چونکہ عورتیں ان کی پہنچ سے دور ہو گئیں اس لیے ان میں اس پر علم و حصہ پیدا ہوا اور وہ عورتوں کے خلاف ہو گئے۔ مردوں کا یہ علم و حصہ خصوصی طور پر ان عورتوں کے خلاف تھا کہ جو ان کے اثر سے دور تھیں جیسے کنواری، بیوہ، اطفال اور بوڑھی عورتیں۔ اس لیے ان کے خلاف ہم چل دی گئی تاکہ ایسی کوئی مثال نہ رہے کہ جس میں مرد کی برتری کو پہنچ کیا گیا ہو۔

تقوین و عقلی میں مرد نے اپنی برتری قائم کرنے کے بعد عورت کو نہیں ماندہ بنانے کے لیے تین طریقوں کو اختیار کیا

۱۔ عورتوں سے تمام اختیارات چھین لیے جائیں خصوصیت سے عورتوں کو جو بڑی بیویوں اور مردوں کے بارے میں معلومات ہیں ان سے انھیں محروم کیا جائے۔ اس لیے یورپ میں جاوگروگیوں کے خلاف جو تحریک اٹھی وہ اس کا ایک حصہ تھی۔

۲۔ عورتوں کو مختلف پیشوں سے نکال جائے اور ان میں مردوں کو داخل کر کے ان کی برتری قائم کی جائے۔

۳۔ عورتوں کو بہت حد تک حصہ کھنا جاتا رہا تھا اس لیے ان کی مخالفت بھی اسی طرح کی گئی جیسے فطرت کی

اس لیے یورپ میں جاوگروگیوں کی آڑ میں عورتوں کے خلاف بہت برسرِ عمل چلی، اس کی بنیاد یہ دینی کہ شیطان جب عورت کی شکل اختیار کرتا ہے تو وہ نہیں ہوتا ہے اس لیے جاوگروگیوں کی شکل میں اس کے بعد اس کے پیچھے آتے ہیں جو کسی جسم کا کوئی حصہ نہیں ہوتا ہے اس لیے چرچ کا خیال تھا کہ جاوگروگیوں عورتیں تھیں، مرد نہیں تھے اس کی جڑیں نہیں نے یہ خدائی کہ عورتوں کے جسم میں گناہ موجود رہتا ہے اس لیے شیطان عورت کو درگاہ میں کامیاب بناتا ہے، وہ اپنے گناہوں کی وجہ سے اس کی کار میں جاتا ہے۔

اس مہم کے نتیجے میں عورتوں کو مدد دیا گیا، چھانسی پر لگایا گیا، انھیں تہہ تیہ میں رکھا گیا جس کی وجہ سے عورت کی شخصیت بالکل ختم ہوئی اور اپنی بقا اور مدد کے لیے مری جانے لگی۔

نسکی۔

آخر چہ خیم ثاثہ غایہ میں یورپ میں نئے نئے نظریات اور تحریکیں اٹھیں۔ مگر ان سب میں سے کسی سے عورت کے ذہنی مسائل کو دیکھ کر یا جاننا کہ اس کی نوعیت سے بھی مرد کو دیکھتے ہیں اور عورت کو نہیں دیکھتے۔ اس کی صورت میں یہ سوچنا شروع ہو گیا ہے۔ عورت کو نہ سب میں عورت کو ساقی طور پر اور نہ دیکھتے ہیں۔ یہاں تک کہ عورت کی صورت سے بھی روک دیا گیا وہ صرف عورتوں میں رائج ہے۔ مگر وہاں بھی حکم مردوں کا چلتا تھا۔

تک اور تہذیبی تبدیلی کی کہ عورت کو عورت کی طرح دیکھتے ہیں اور عورت کو ساقی کی نظر میں اور کم تر کر دیتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہو کہ وہ لوگ کہ جو جہیز نہیں دے سکتے تھے ان کی لڑکیاں بن کر نکاح ہوتا تھا۔

اس میں بھی اس دور میں تبدیلی آئی، مرد نے قہر چھوڑ دیا اور اس کی جگہ تنگ بھلوں اور کوٹ اختیار کر لیا۔ مگر عورت اس طرح کے لباس میں پتی رہی۔ یورپ میں عورت کی حالت صنعتی دور کے آنے کے بعد بدلی اور اس کے ساقی مرتبے میں سانس دینی اور ذاتی ترقی کے ساتھ ساتھ ہی دیکھتی ہوئی۔

حوالہ جات

- ۱۔ ایچگز، "خاندان اور دست اور کی ملکیت" (۱۸۸۰ء) ص ۸۸
- ۲۔ ایچگز ص ۹۱
- ۳۔ ایچگز ص ۹
- ۴۔ ول ڈیوڈ، "Life in Greece" (نورڈک، ۱۹۶۶ء) ص ۳۵-۳۶
- ۵۔ "The Body And Society" (کولمبیا یونیورسٹی پریس، ۱۹۸۸ء) ص ۱
- ۶۔ ایچگز ص ۹۰
- ۷۔ ایچگز ص ۱۳
- ۸۔ ایچگز ص ۱۴
- ۹۔ "Frauen in der Geschichte" (جلد ہفتم، ۱۹۸۶ء) ص ۵۳

ص ۲۶

پیشا پبلشرز ص ۱۰۹

۱۔ ایچگز، "The Immortal Tradition" (لندن، ۱۹۶۶ء) ص ۵

۲۔ ایچگز، "Witches, Rantledge" (لندن، ۱۹۶۶ء) ص ۵

۱۹۹۶ء (۱۳۳۰-۱۳۳۱) ص ۱۱۶

وہ اور دل سے جہاں جانا چاہتے تھے اور چوری طرح لطف و دور ہوتی تھیں، وہ اپنے شوہروں کی دلدار نہیں ہوتی تھیں مگر انہیں گناہگار نہیں سمجھا جاتا تھا۔ کیونکہ یہ اس وقت کا رواج تھا اور اس رسم کو بد سے بڑے رشتوں سے تسلیم کیا تھا، اور یہ رسم سب ملک شاہ کے کورڈوں میں رائج ہے۔ سوچو، رسم ہے کہ عورت عمر بھر کے لیے خود کو ایک شوہر کے لیے وقف کر دے، وہ بعد میں قائم رہتی ہے۔

اس لیے چند عورتوں میں، اور شہنشاہ امرا کا ایک دم ختم نہیں ہوا، بلکہ کچھ علاقوں میں یہ رسم ہوا اور کچھ میں باقی رہا۔ اس لیے ان علاقوں میں جہاں پورا نظام قائم ہو گیا، انہوں نے اور ان نظام کو کثافت سے دیکھا اور اس کے رسم و رواج کو خلاف سے لے کر روکتے ہوئے سے نفس و بے جانی کا نام دیا اور عورت پر غصہ و حسرت کے ساتھ بڑے طنز کیے۔

اگرچہ مہاراجت لہی میں وردہ کی کے واسطے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس وقت تک ہندوستان کا معاشرہ مکمل طور پر بدلتا نہیں ہوا تھا، کیونکہ اس میں عورت کے کئی شوہر رکھنے کو برا نہیں سمجھا گیا ہے، اور اس کا دفاع کیا گیا ہے۔ وردہ کی ایک دیاک باز عورت کے طور پر سامنے آتی ہے۔

دہلی میں بائرن قیدیہ میں مرحلے تک موجودہ دور میں، اور ان نظام قائم رہا کہ جس میں شوہر بیوی کے گھر جاتا تھا، اور بیوی بچے گھر میں رہتی تھی۔ اس میں طلاق بہت آسان ہوتی تھی اور مرد ایک بیوی کو چھوڑ کر دوسری کے گھر چلے گئے۔ مگر ہندوستان میں، اور ان نظام مذکورہ قائم نہیں رہا اور وقت کی تبدیلیوں کے ساتھ ختم ہوتا چلا گیا مگر اس کے اثرات اب بھی قائم ہیں۔ ہندو معاشرے میں عورت کے سماجی مقام کے گرنے کے باوجود اس کی حریت ہے اسی طرح جب دیوی اور پاتا کا نام ساتھ آتا ہے تو اس میں پہلے دیوی کا نام آتا ہے۔

آریاؤں کے ابتدائی زمانے میں جب کہ ان کا پیشہ کاشتکاری اور شکاری تھا، اس میں عورت گھر کی چار دیواری میں قید نہیں رہ سکتی تھی۔ اس لیے وہ مرد کے ساتھ ساتھ کام میں مصروف نظر آتی ہے۔ ایک عجیب بیوی کا تصور یہی تھا کہ وہ محنت مند ہو، کام میں چاق و چوبند ہو اور زیادہ سے زیادہ بچے پیدا کرے جو خاندان کی ترقی میں حصہ لیں۔ اس وقت تک یہ وہ شوہر کے ساتھ جانی نہیں جاتا تھا۔ بلکہ وہ بھانجروں کے حصے میں آ جاتی تھی کیونکہ ایک کام کرنے والے کو ذرا سی معاشرہ بھونانہ نہیں

عورت ہندوستانی تہذیب میں

۱۲ ہندوستانی شہادتوں اور مذہبی طریقے سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ہندوستان میں بھی دوسری تہذیبوں کی طرح ہندوستانی دور میں ماورائے نظام رائج تھا۔ سوجھ بوجھ کی تہذیب جو آریاؤں کی تہذیب سے قبل کی ہے، اس میں عورت کی حیثیت بڑی وراثت سے دور تاریکیوں کی عیاں یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس دور میں یہاں ماورائے نظام رائج تھا۔ خود آریہ معشرے کے ابتدائی زمانے میں اس کے خواہد و گدایوں میں ملے ہیں اور اس کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ کس طرح معاشرہ آہستہ آہستہ ماورائے دور سے پورا نظام میں داخل ہو رہا تھا، وہ دیویوں جن کی پوجا کی جاتی تھی، ان کی جگہ دیوتا سے رہے تھے۔ کہ چاروش، اور دیویوں اور سرسوتی کی پوجا ہوتی تھی مگر اس کی وجہ ان کی دلکشی اور خوبصورتی تھی، مطلقاً نہیں۔

لیکن یہ تبدیلی آہستہ آہستہ آئی ہے۔ مہاراجت سے اندازہ ہوتا ہے کہ بدلتا دور میں ماورائے نظام کی قدریں و روایات مانتی تھیں مثلاً پاندو کی بد عائی وجہ سے اپنی بیوی سے نفرتی تعلق نہیں رکھ سکتا۔ مگر اسے اس کی سرپرست ہے تو وہ اپنی بیوی حتیٰ کو یہ مشورہ دیتا ہے کہ وہ کسی دوسرے مرد سے تعلق قائم نہ کرے۔ اس کے لیے اولاد پیدا کرے وہ بیوی کو کسی دوسرے ہونے کہتا ہے کہ

"لوکشی! اب میں تم سے اس قدیم رسم کے متعلق کہنا چاہتا ہوں کہ جسے

عالم مذہبوں نے اخلاق کے تمام اصولوں کے تحت مانتا قرار دیا ہے۔"

پہلے عورتیں گھروں میں بند ہوتی تھیں اور بچے شوہر اور بیٹے کو روپ کے ماتحت ہوتی تھیں۔

چاہتا تھا اس وقت تک شہباز کی کاروائی میں قید رکھے جیسا کہ حکم جاری تھا۔
 اگرچہ معاشرے میں مردگان پر چڑھتا تھا، مگر سب سے بڑی بات یہ تھی کہ شہباز کی
 شادی ہوئی ہو تو اس وقت تک وہیں میں نہیں آئی تھی۔ پھر میرا سہارا میں آ گیا تھا۔
 بعد کے شہر سے جو اسے مرزا خانانہ رشتہ پر سے ملا وہاں سے اسے اپنے اہل گھر کے گھر میں
 جوار گھر پر چاہتا تھا۔

[illegible]

بالعصل ہے۔ میں اکبریٰ میں سنی کے بارے میں لکھ رہے کہ اس کی چار قسمیں ہیں۔ پہلی وہ کہ جو شوہر کی موت کے غم میں بے ہوش ہو جاتی ہے اور اس کے رشتے دار سے گھٹ میں مل سکتے ہیں۔ دوسری وہ عورتیں جو شوہر سے بے ستائشیت کرتی ہیں اور خوشی خوشی مٹنے پر تیار ہو جاتی ہیں تیسری وہ قسم ہے جس میں رسم اور ان کے رواج میں مل جاتی ہیں اور وہی رسم و رسم نہیں کرتی ہیں۔ چوتھی صورت میں عورت کے خاندان و رشتہ داروں کی جگہ جیتے ہیں۔ سنی کا لکھوں دیکھ جاں بہت سے سیاہوں نے لکھا ہے۔ لیکن میں اس میں غلطی ہے کہ جو عہد میں میں مہدوستان آیا۔ وہ لکھتا ہے کہ۔

”جب تین بوؤں نے سنی ہونے کا ارادہ کیا تھا تو وہ میں دن پہلے گانے بجاتے اور کھانے میں مشغول ہو گئیں گویا دنیا سے رخصت ہوئے کو تھیں۔ ان کے پاس ہر طرف سے عورتیں آتی تھیں۔ رچے تھے وہ ان کے پاس ایک ایک ٹھونڈا لائے اور ہر ایک پیوہ جاؤ سنگھار کر کے اور خوشبو لگا کر اس پر سوار ہوئی۔ اس کے دائیں ہاتھ میں ناریل تھا جس کو چھاتی جاتی تھی اور بائیں ہاتھ میں آئینہ تھا جس میں منہ دیکھتی جاتی تھی اور برہمن اس کے گرد جمع تھے اور اس کے رشتے دار ان کے ساتھ آگے آگے۔ غارے درخت بن جاتی تھی۔ ہر ایک ہندو اسے کہتا تھا میرا اسلام میرے ماں باپ یا بھائی یا دوست کو کرنا۔ وہ اپنی قہقہہ اور ہنسی جاتی تھیں۔ میں بھی اپنے دوستوں کو لے کر اس کے مٹنے کی عیبت دیکھنے گیا۔ ہم ان کے ساتھ تیس گھنٹے گئے۔ ایک ایک کی جگہ پہنچے جہاں پانی بکھرتا تھا اور درختوں کے انجھ سے تھوہیرا ہوا تھا۔ پتوں میں چار گندھے تھے۔ ہر ایک گھر میں ایک ایک ہت تھا اور گند کے پتوں میں پانی کا حوض تھا۔ اس پر درختوں کے سایے سے سب دھوپ نہ پڑتی تھی۔ تاریکی میں یہ جگہ گونا گونہ کھڑا تھا۔ جب یہ عورتیں ان گندوں سے پاس پہنچیں تو حوض میں تر کر رہیں۔ سنے سنے کیا اور حوض میں غوطہ کھا اور بے کپڑے رہیں۔ رات تار کر کے دھو رکھو بچے اور ان کے بجائے ایک موٹی ساڑھی یا ساتھی عورتوں حوض کے پاس

کی جگہ آگ دھکائی گئی اور جب اس پر عورتوں کا تیل ڈالا تو وہ شعلہ مارنے لگی۔ پندرہ ایک دیوؤں کے ہاتھ میں لکڑیوں کے گھٹے بندھے ہوئے تھے اور اس ایک دیو لکڑیوں کے ہاتھ سے ہاتھ میں لیے ہوئے تھے۔ غارے اور لکڑی و بے پید کے غار میں مڑے ہوئے تھے۔ آگ دیکھ کر رضائیوں میں کہہ رہا تھا کہ اس عورت کی نظراں پر نہ پڑے۔ ان میں سے ایک عورت نے رضائی کو ڈھونڈتی ان دونوں کے ہاتھ سے چھینا لیا اور کہہ کیا میں جاتی نہیں کہ یہ آگ ہے مجھے اچھے ہو۔ اس سے آگ کی طرف۔ عورت کی دراپنے تیس رس دیا۔ اس وقت غارے اور غریبوں بھی شروع ہو گئیں۔ اور لوگوں نے، جو بہت سی لکڑیاں ہاتھ میں لیے ہوئے تھے آگ میں ڈالنی شروع کر دیں۔ دھواں کے اوپر بڑے بڑے گندے ڈال دیئے تاکہ عورت حرکت نہیں کر سکے۔ حاضرین سے بھی بہت شور مچا۔ میں یہ دیکھ کر بے ہوش ہو گیا۔

وہ عورتیں جنہیں انو سربھا جاتا تھا، یا جس کی برہمنی رزوق جاتی تھی انہیں سائرسے میں قبول نہیں کیا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ حرم شامڑوں میں اور حامل طور پر منو شامڑوں میں عورت کے کہتے کہنے دکھانے پینے اور وہ طریق کے بارے میں آدھ مقرر کیے گئے تھے۔ اس کے لیے لکھنا پڑھا غیر ضروری قرار دے دیا گیا اور شوہر کی خدمت اس کی زندگی کا اڈا ڈاڈا مقرر قرار دیا گیا۔

مسلمان حکمرانوں کے عہد میں بھی عورت کی سماجی حیثیت اسی طرح سے رہی۔ بلکہ حکمران طبقوں نے پورے کی رسم مسلمانوں سے لے لی اور اپنے حرم سراؤں کی حفاظت اور نفی سے کی جانے لگی۔ اگرچہ اکبر سے سنی کی رسم کو فتح کرنے کی بہت کوشش کی مگر وہ اس میں کامیاب نہیں ہو سکا۔

ہندو سماج شری میں عورت کی آزادی کی جہاد جہاد انگریزوں کی دور میں شروع ہوئی۔ جب بنگال میں راجہ رام موہن رائے نے اصلاح ہندو کی تحریک شروع کی تو اس کے نتیجے میں سنی کی رسم پر پابندی لگی۔ ۱۸۹۲ء میں سارناتھوں کے تحت چھب کی شادیوں منع ہو گئیں۔ اسی دور میں

ہمارا من ہو سکتی ہے اور لاتعداد خطروں سے محفوظ رہ سکتی ہے۔

انہوں نے عورتوں میں برائیوں اور خرابیوں کو تلاش کرتے ہوئے اس کی ایک اور اہم خرابی کی طرف اشارہ کیا ہے اور وہ ہے عورت کی آواز، ہان کا کہنا ہے کہ عورت جب بولتی ہے تو وہ دہراؤ لوگوں کے دلوں پر اثر کرتی ہے اور انہیں اپنی طرف کھینچ لیتی ہے، اس لیے اس کی آواز اس سائن کی طرح ہے کہ جو سرفروں کو اپنی صفحہ سے سکڑ کر دیتا ہے اور بعد میں انہیں قتل کر دیتا ہے۔ ایک ضرب الخلل کے مطابق "ایک ہذا خلاق عورت کے ہونٹوں سے شہر نکلتا ہے، اس کی گفتگو تیل سے زیادہ پکی ہوتی ہے، لیکن آتش میں یہ تلخ ہو جاتی ہے اور اتنی ہی تیز ہو جاتی ہے جیسے دو دھاری ٹکوار۔"

ان کے نزدیک عورتوں کے خوب صورت ہاں بھی برائی کی چیز ہیں، کیونکہ یہ مردوں میں شہوانی جذبات کو ابھارتے ہیں اور اس طرح خوب صورت ہاں عورت کو شیطان کے قریب لے جاتے ہیں۔

اس لیے عورت، اپنی جنس کی وجہ سے شیطان کو دعوت دیتی ہے کہ وہ اسے استہزاء کرے، جبکہ مرد میں چونکہ یہ کمزوریاں نہیں ہوتیں اس لیے وہ شیطان سے محفوظ رہتا ہے۔ اس دلیل کے تحت صرف عورتیں ہی جاوید گر نیاس ہو سکتی ہیں، مرد نہیں۔

جہنم کے ان مذہبی خیالات کی وجہ سے عورت کو سب سے بڑی شر اور گناہ کا سبب بن گئی اور اس نے اسے مرد کے مقابلے میں بہت کم تر کر دیا۔

(نوٹ: اس باب کا مواد ادا رائے کا (Uta Ranke Heinmann) کی کتاب Eunuchs for the Kingdom of Heaven. Penguin 1991 سے لیا گیا ہے۔)

صوفیا اور عورت

رہائیت کا مطلب ہے خرب و دنیا، یعنی دنیا کے عشق و آرام اور سہولتوں کو چھوڑنا اور ایسی تمام چیزوں سے پرہیز کرنا کہ جو مادی آسائشوں کی طرف مائل کرتی ہوں یا یہ کہ جن کی موجودگی سے ذہن دنیا کی طرف مائل ہوتا ہے، انہیں میں عورت کا وجود بھی شامل ہے۔ اس لیے وہ لوگ کہ جو عورت سے بے نیاز و وابستہ و تپید کے ذریعے روحانی مقامات تک پہنچنا چاہتے تھے ان کے لیے عورت سب سے بڑی رکاوٹ تھی۔ اس لیے ضروری تھا کہ وہ عورتوں سے دور رہیں۔ اسی عمل سے بے کش یہ وہ بڑے دور، سنگوں، پہاڑوں اور دیواروں میں پناہ گاہ بنائے تھے کہ جہاں وہ پریشانیوں سے محفوظ رہ سکیں۔

بہت ہی صوفی یا ایک نئے کرے والا کوئی بھی ہو اس کا سب سے بڑا دشمن یہ ہوتا تھا کہ وہ اپنی نفسانی خواہشات پر کبھی قابو نہ آئے۔ اس مقصد کے لیے ضروری تھا کہ وہ اپنے رہن سے عورت کے تصور کو نکال دے۔ یہاں عورت شیطان بن کر اس کی راہ میں حائل ہوتی تھی اور اس کی حماوت میں قفل اسی تھی۔ اس کا ذکر وہ سب ہی راہبوں نے کیا ہے کہ عورت کے تصور نے انہیں کیسی کسی انتہا دی۔ لیکن جب وہ اس مشکل مرحلے سے گزر جاتے تھے تو ان کو منہ روحانی مقامات مل جاتے تھے۔ اس لیے یہ امر عجیبی سے خالی نہ ہوگا کہ مرد کی روحانی برتری میں بھی عورت کا حصہ ہے اگرچہ حتیٰ کہ اس سے اعلاٰ رہتا ہے کہ عورت کا وجود ہی ذات کے لیے کس قدر ضروری ہے۔ صوفیاء کے ادب میں عورت کو دنیا سے تشبیہ دی جاتی ہے کہ جو اپنی رعنائی، دلکشی اور اداؤں سے لوگوں کو لکھ کر اپنی محبت میں گرفتار کرتی ہے۔ اس لیے صوفیاء اپنی عبادت گزاروں اور روحانیت میں

عورت کو جانگ پائے ہیں اور خود کو ہوشیار کرتے ہیں کہ اس کے دامن میں مگر قہر مند ہو جائے۔ کچھ صوفیا عورت کو دامن کی مانند خیر بصورت، آسان و پیراستہ تصور کرتے ہیں اور اپنی سب سے بڑی کامیابی یہ سمجھتے ہیں کہ اس کے خوب صورت چہرے پر کالک مل کر سے بصورت دیکھ کر ہر عورت

کچھ صوفیائے عورتوں سے اس قدر بے زری کا اظہار کیا ہے کہ نہ تو وہ اس کے ہاتھ کا پکڑا ہو کھانا کھاتے تھے اور نہ ہی سے ہاتھ لگاتے تھے۔ اس کی کہانیاں ہیں کہ جس صوفیوں سے بیویوں کی بھر بھری کو برا داشت کیا اس کے بدلے میں انہیں اعلیٰ مقامات مل گئی۔ ذرا یہیں میں ان کے منہ کی صوفیائے یہاں آخر عورت کو شوکت پرست، موافق ہے وہاں یہ ایک عورت کہ جو اپنے بچے کھا جاتی ہے کے روپ میں دکھایا ہے اور اس سے ہوشیار رہنے کی بدعت کی ہے۔

صوفیائے عورتوں کے بارے میں جو نظریات ہیں ان کا غلبہ رطلی بن عثمانی بھیڑی نے اپنی کتاب "کشف المحجوب" میں بڑی تفصیل اور وضاحت سے کیا ہے۔ وہ اس بات کا اظہار کرتے ہیں کہ کراچ کرنے میں دو آفتیں ہیں ایک یہ کہ دل غیر حق میں مشغول ہوتا ہے اور دوسرے یہ کہ جسم کو نفسانی لذتوں کی عادت پڑ جاتی ہے۔ اس لیے جو شخص عبادت و ریاضت میں مشغول ہونا چاہتا ہے اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ شادی نہ کرے۔

مجرد رہنے کے بارے میں ان کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ سارے زمانے میں یہ ممکن نہیں رہا کہ کسی کو ایسی عورت نصیب ہو جائے جو زیادہ مطاہرات اور نموس ویا۔ امور کا طلب کیے بغیر اس کے ساتھ مواصلت کرے۔ اس لیے ایک گروہ نے مجرد اور ہنگار ہونا اختیار کیا ہے۔

آگے چل کر دیکھتے ہیں کہ

"مشائخ طریقت کا اس پر حیران ہے کہ حیل اور فعل ہوگیا ہے۔"

جو خود کی زندگی گزارا ہو۔"

سید علی جوہری کی عورت کے قلم ہونے کے بارے میں تفصیل سے بتاتے ہیں کہ

"حضرت آدم کے لیے جو پہلا قندہ مقدس ہوا، ایک عورت ہی کا قندہ تھا اور

دیکھ دیکھ کے اسے بھگڑنے کی صورت میں جو پہلا قندہ دنیا میں نمودار

ہوا وہ بھی ایک عورت ہی کی جہ سے تھا۔ درحقیقت دو فرشتوں پروردگار

عورت کو تدبیراتی نے سزا دی تھی تو اس کا سبب بھی ایک عورت ہی تھی۔"

اور انہوں نے زمانے تک دینی اور دنیاوی تمام نیچے عورتوں کے ہی ہیں۔

اس نے بعد ازاں یہی اپنے تجربات بیان کرتے ہیں۔

"میں رہا سب تک خداوند تعالیٰ سے کراچ کی آزمائش سے بچائے رکھا اور

یہی مقدس تھا کہ میرے اندر قندہ پیدا کر دیا۔ اور میرا عاقل و باطن ایک ہی

صفت کا اس کے دیکھے بغیر سیر ہو گیا اور میں ایک سال تک اس میں ایسا

مستغرق رہا کہ قریب تھا کہ میرا دین مجھ پر تھام ہو جائے یہاں تک کہ اللہ

تعالیٰ نے کمال اظہار اور اپنے پورے فضل سے میرے دل کو ہلاک

ہونے سے بچا لیا اور مجھے اپنی رحمت کے دریچے سے بچات نصیب

فرمادی۔ اللہ تعالیٰ کی اس عظیم نعم پر میں اس کا شکر کرتا ہوں۔ خدا

کلام یہ ہے کہ طریقت کی بنیاد مجرد رہنے پر رکھی گئی ہے۔ پھر نفسانی

خواہشات کے لشکر دل میں سے کسی ایک لشکر کی آگ کو بھی بجایا نہیں

جاسکتا ہے کیونکہ جو خرابی خود تیرے اندر سے پیدا ہوئی۔ اس کا دور کرنے کا

سارا بھی خیر خیر ہی مستوف ہے۔"

اس لیے جوہری شوکت اور نفسانی خواہشات کو ختم کرنے کے لیے ضروری سمجھتے ہیں کہ صوفیا کو کثرت سے عبادت و ریاضت کرنی چاہیے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ہولناک رہا چاہیے کیونکہ اس سے شوکت راکھ ہوتی ہے۔ سب سے بڑھ کر کہ "خواہ خدا یا حق تعالیٰ کی چٹا محبت ہے جو بہتوں کو کام میں لانے سے منع کرتی ہے اور محبت کا غلبہ خود بخود جسم کے اعضا میں اس شوکت کو پر گندہ کر دیتا ہے۔"

عورتوں کے سلسلے میں یہ خیالات صرف علی جوہری کے ہی نہیں بلکہ دوسرے صوفیوں کے بھی ہیں کہ جو

۱۶۰۰ سے ۱۷۰۰ تک کا زمانہ اظہار کرتے رہے ہیں۔ اگر انہوں نے شادی بھی کی تو اس کا مقصد لذت

و نفسانی خواہشات کو پورا کرنا نہیں تھا بلکہ اولاد پیدا کرنا تھا تاکہ سب اس کی ذریعہ میں اصف ہو۔ بعد

سب عورت نفس سے پیدا کرنا۔ جو یہ سب میں تو ان کے گھروں میں اس کی ساری حیثیت بھی کم ہو گئی

اور کثرت و الفت و قربت کے حالات دونوں کے مابین پیدا نہیں ہوئے۔ ان کے تعلقات کی نوعیت

فصل ایک ضرورت کی وجہ سے تھی اس کے آگے وہ ان کے بعد کا وقت بن جاتی تھی۔

صوفی کے نزدیک محبت ایک دلیب تھی کہ جو خدا کی محبت کے درمیان آجیل تھی۔ اس وجہ سے ان کا سب سے بڑا مسئلہ یہ تھا کہ اس روکاوٹ کو یا تو دور کیا جائے یا اس کی ہیبت کو گھٹا دیا جائے۔ عورت کے بارے میں ان کے نظریات کو تقویت الہام کا نہیں ہے بلکہ اپنی تھی کہ جس میں جنت سے حضرت آدم کو نکالنے والی عورت تھی۔ لہذا عورت اپنی محبت سے مرد پر قابو پا کر اسے اپنے مقاصد کے لیے استعمال کرتی ہے اور اس طرح یہ مرد کی آزادی کی بھی دشمن ہے۔

لہذا صوفی عورتوں سے دور رہنے کی تلقین کرتے ہیں۔ اسی قسم کے خیالات ہمیں افکار ویدی مدنی میں چشتیہ سلسلے کے ایک صوفی شیخ کلیم اللہ کے بارے میں دو بڑے حلقہ کشادگی سے منع کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ عورتیں دین کو ختم کر دیتی ہیں۔ اس لیے لوگوں کو چاہیے کہ ان کی باتوں میں نہ آئیں۔ اگرچہ وہ چشتیہ سلسلے میں عورتوں کو حرام نہیں کرتے تھے مگر اپنے حلقہ کو کیڑتے تھے کہ جو ان کی بڑی خوبی اور بد صورت سب کو سرے کر دیا مگر ان کے ساتھ زیادہ سے تک صحت منجم و لادان کو حرام کرتے وقت تمام احتیاطی تدابیر اختیار کرو۔ مصافحہ کرتے وقت ہر پہلو پر غور کرو۔ ان کا یہ بھی کہنا تھا کہ شاوی الجھوس کا باعث ہے اس لیے ضرورت کے بغیر شادی نہیں کرنی چاہیے۔

حوالہ جات

- ۱۔ ابن عربی، Myrtical Dimensions of Islam، (ترجمہ کی آف، کئی فورن، ۱۹۷۵ء)۔
- ۲۔ علی بن عثمان غیری، "مختصر سیرت مولانا عبدالغنی قادری" (۱۹۷۳ء)۔
- ۳۔ ایضاً، ۵۳۶
- ۴۔ ایضاً، ۵۳۷
- ۵۔ ایضاً، ۵۳۷
- ۶۔ ایضاً، ۵۳۷
- ۷۔ ایضاً، ۵۳۸
- ۸۔ محمد مرزا، "Islam in Northern India (During the Eighteenth Century)" (دہلی، ۱۹۹۳ء)۔

حرم

اگرچہ بادشاہوں نے اپنے محلات میں بیگمات کی حیثیت سے کئی کی عورتوں کو رکھنا شروع کر دیا تھا، مگر یہ قاعدہ حرم کی بنیاد یا تو ایرانی حکمرانوں نے شروع کی اور یا برعکس بادشاہوں نے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ حرم عورتیں جس سے بادشاہ کا تعلق ہوتا تھا، انہیں سب سے علاحدہ کر کے محلات میں حفاظت سے رکھ دیا جاتا تھا اور اس کے بعد انہیں اجازت نہیں تھی کہ وہ بادشاہ کی زندگی میں یا اس کے مرنے کے بعد کسی اور سے شادی کریں یا جنسی تعلق رکھیں۔ یہ عورتیں بادشاہ اور حکمران کی عزت و آبرو، مثال بن جاتی تھیں اور حرم ان کے لیے ابدی قید تھی۔

چنانچہ ان عورتوں کے لیے علیحدہ محلات بنائے جاتے اور کوشش کی جاتی کہ ان محلات کے اندر ان کی ان کی تقریحات اور راحت گزاری کے لیے تمام سہولتیں مہیا کر دیے جائیں تاکہ انہیں باہر کی دنیا کے بارے میں نہ تو دلچسپی رہے اور نہ فکر۔ محل میں آئے کے بعد ان کا تعلق ماسوائے بادشاہ کے اور تمام مردوں سے ختم ہو جاتا تھا۔ اگر وہ باہر کی دنیا سے کوئی رابطہ کرنا چاہتی تھیں تو اس مقصد کے لیے بعد میں خوب سہولتیں کا ادارہ وجود میں آیا جو اس خاص مقصد کے لیے تیار کیے جاتے تھے۔ یہ خوب سہولتیں اور باہر کی دنیا میں رابطے کا کام دیتے تھے۔ مگر ان کے لڑکھن صرف انہیں تک محدود نہیں تھے بلکہ یہ سب عورتوں پر بھی مجبور تھے اور کسی عورت پر ذرا بھی شبہ ہو جائے کہ وہ خوب سہولت سے کسی کوئی جنسی تعلق رکھتے ہوئے ہے تو اس کی سزا موت تھی۔

مسلمان حکمرانوں میں سب سے زیادہ عقیم الشان حرم عثمانی خلفا کا تھا۔ جب سلطان یلدزم کو تیسرے کے ہاتھوں شکست ہوئی تو اس میں یلدزم اور اس کی بیگم دہلیوں

گرفتار ہوئے، تھوڑے عرصے میں قید کی اور اس کی بیوی کو بھی گرفتار کر لیا۔ پھر اس کے بعد سے عثمانی سلاطین نے شادی کرنا چھوڑ دی تھی تاکہ دیکھ کر اس قسم کے حادثے سے دوچار نہ ہوں۔ لہذا ان کے حرم میں صرف کنبڑی ہوتی تھیں، اس مقصد کے لیے پوری سلطنت سے خوب صورت عورتیں حرم میں جمع کی جاتی تھیں۔ ان کے علاوہ سلطنت کے کورٹھنچے میں یا تخت کے سر اٹھان میں عورتیں بھی رہا کرتے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ اس کے حرم میں ملک ملک کی عورتیں جمع تھیں۔

اس عورتوں کی حفاظت کے لیے خوبصورت ہوتے تھے۔ خوبصورت ظاہروں میں سے چنے جاتے تھے اور ابتدائی عمر ہی سے انہیں خصوصی کر دیا جاتا تھا۔ ان کا سر دار کڑا یا لڑکیوں کا آکا کھلاتا تھا۔ اس کا کام محل یا حرم میں عورتوں کی نگہداشت ہوتی تھی۔ ہر رات کے انتخاب کے لیے یہ عورتیں ایک قطار میں کھڑی ہوتی تھیں اور بادشاہ ان کے سامنے کے بعد کسی ایک کو منتخب کرتا۔ اس کے بعد اس عورت کو تختہ کار کے خواب گاہ میں بھیج دیا جاتا تھا اور رجنہ میں تاریخ کے ساتھ اس کا نام لکھ دیا جاتا تھا تاکہ اگر اسے محل شہر جانے تو اس سے اندازہ لگایا جاسکے۔

جن عورتوں کے لڑکا ہو جاتا تھا تو انہیں سلطانہ بنا دیا جاتا تھا، اگر اولاد نہیں ہوتی تھی تو اس صورت میں کنبڑی رہتی اور یہ بھی ہوتا تھا کہ ایک رات کے بعد سلطان اس کی طرف متوجہ بھی نہیں ہوتا تھا اور وہ بقیہ زندگی اسی حالت میں گزار دیتی تھی۔ محل میں کسی سلطانہ کو اس وقت بڑا درجہ ملتا تھا جب اس کا لڑکا سلطان ہو جاتا تھا۔ اس وقت والدہ سلطان بن کر محترمہ اور باوقار مقام حاصل کر لیتی تھی۔

محمد فارغ نے ایک قانون بنایا تھا کہ اس کے خاندان میں جو بادشاہ ہو، وہ تخت نشینی کے بعد اپنے بھتیجوں کو قتل کراوے تاکہ خاندان جنگی کا خطرہ نہیں رہے اور سلطنت کو روک نہ ہو۔ بعد میں قتل کرنے کے بجائے انہیں محلات میں قید کر دیا جاتا تھا۔ یہ محلات قصے کہلاتے تھے۔ یہاں شہزادوں کو کنبڑی مہیا کی جاتی تھیں، مگر اس بات کا خیال رکھا جاتا تھا کہ ان کے قون اور درہ ہو اور اگر ان میں سے کوئی کنبڑی ہو جاتی تھی تو اسے فوراً قتل کر دیا جاتا تھا۔

حرم میں اگر کسی کنبڑی کا خوبصورت سراپا کسی اور کے ساتھ جنسی تعلق میں لوٹ دیکھ دیا جاتا تھا تو اس کی سزا یہ تھی کہ اسے پوری میں بند کر کے باسلورس میں ڈبو دیا جاتا تھا۔ اس قسم کا ایک واقعہ سلطان

ابراہیم ۱۶۳۳-۱۶۴۰ء کے عہد میں پیش آیا۔ اس عہد میں حرم میں ۱۰۰۰ عورتیں رہتی تھیں۔ ان میں سے ساتھ پائی تھیں۔ ان پر قیدیوں کے شراعی ہوں۔ مگر کنبڑی شادیت میں ہوں اور یہ ان کے لیے مل کال کے محکمہ ۲۸۰ کنبڑیوں کو پوریوں میں بند کر کے باسلورس میں ڈبوئے گا۔ ان کے لیے ایک کنبڑی پوری کو مضبوطی سے بند کر دیا گیا تھا، لہذا اس قدر میں اس کا سر کھل گیا اور وہ قتل آئی۔ پانچ گزرتے ہوئے ایک نر انہیں جہاز سے چھوڑ دیا اور اس کی جان بچائی۔ اس نے جہاز کی کنبڑی کر کے ماری غصیلات بتائیں۔

سلطان کے مرنے پر اس کے پورے حرم کو ایک دوسرے محل میں منتقل کر دیا جاتا تھا جو ”سورہ کاکل“ کہلاتا تھا اور یہاں وہ چلی بھائی زندگی جاتی اور کنبڑیوں کے ساتھ گزارتی تھیں۔ بادشاہوں میں مغلیہ بادشاہوں نے بھی حرم کی بنیاد رکھی تھی اور ان کے لیے باقاعدہ اس کے لیے قوانین مرتب کیے تھے۔ مگر ان کا حرم کئی لحاظ سے عثمانی سلاطین سے مختلف تھا۔ ایک تو مغلیہ بادشاہ باقاعدہ شادی کرتے تھے، مگر چھ ساتھ میں کنبڑی بھی ہوتی تھیں، اور حرم میں مرحوم بادشاہوں کی بیگمات بھی رہتی تھیں۔ حرم کے تقاضات تحت ہوتے تھے در محل کے باہر، جہت پہن چہرہ دیتے تھے۔ خوبصورت محل اور باہر کی پائیں بیٹے کا کام دیتے تھے محل سے اندر مسخ عورتوں کا جو قصہ یہاں کنبڑی تھیں، ان کا پہلا وقت تھا۔ محل کے دروازے شام سے بند کر دیے جاتے تھے اور اس سے بعد کو کوئی نہ جاسکتا تھا۔ رات میں بھی

لیکن محل کی عورتوں پر بہت زیادہ سختیاں اور پابندیاں تھیں۔ اگر وہ کسی امیر سے ملنا چاہیں یا کسی امیر کی بیگمات سے ملنے کی خواہش ہو تو اس صورت میں نہیں جاسکتا تھا۔ چار تہائی جاتی تھی۔ جب باہر جاتی تھیں تو اس صورت میں پرانے کے سخت انتظامات کیے جاتے تھے۔ یہ کنبڑی پانچویں میں سوار ہوتی تھیں اور پانچ راستے سے گزرتی ہوئی کوہٹاتے ہوئے چلتے تھے۔

بادشاہی بیگمات کے لوگ نام نہیں لیتے تھے۔ ان کا نام اور دوسرے مہاراجوں کے بیگمات کی بیگمات کا نام نہیں پڑتا۔ جب بھی رکتا تو بغیر نام ہیے سواروں اور شہزادوں میں بات کی مثالہ بیگمات کی ایک نگہ تھابت ہے کہ اس سال بادشاہ کی بیگمات میں سے ایک کے حسن انہیں بادشاہ سیم جیسی کی خفا کا وہاں کنبڑی کے لیے چھوڑ دیا۔

اگرچہ حرم میں ہی دوسرے غیر مرد کو آئے کی چار تہ نہیں تھی مگر کنبڑی سیم جیسی سے سزاوار

مہار ہوا کہ انہیں محل کے فوجی جسے میں سے کی اجازت دے دی۔ جس کی وجہ سے محل کی اور عورتیں بھی اس کی منتظر ہو گئیں۔ اس پر بادشاہ کے جیڑا اور بھتیجیوں نے شکایت کی کہ اس کا بیگمات ان پر توجہ نہیں دے رہی ہیں تو بادشاہ نے جواب میں کہا کہ "وہ تو میں عورتوں کی کئی نہیں۔" تم اور شادیوں میں اس میں کوئی فرق ہے۔

آخری عید مغلیہ میں مہم میں یہ سختیاں نہیں رہی تھیں اور عورتوں کو قدر سے کسی بھی قسم کی توجہ اور اہمیت نہیں ملتی تھی۔ آخر وقت میں حرم کا نام زمان خانہ ہو گیا تھا۔ وہاں کے بادشاہ کے زمان خانے کے بارے میں ایک انگریز عورت نے لکھا ہے کہ

"محل میں عورتیں حفاظت کے لیے ہوتی تھیں ان کے ہاتھوں میں ڈھکے ہوتے تھے اور جوشی خواہہ ہر مرد ہاں میں لپیٹتے تھے۔ مرد حرم بادشاہ کی بیگمات سادہ لباس میں بغیر زیورات کے ہوتی تھیں، جبکہ حکمران کی بیگمات قیمتی لباس اور عورت سے بدلی اور قیمتی اور ان کے جسم کے ہر عضو کے لیے کوئی نہ کوئی زیور ہوتا تھا۔ یہاں سب بہت ہی بدی اور پچھلا ہوا ہوتا تھا، جب یہ چلتی تھیں تو ملازمان ان کے پیچھے پیچھے چلتے تھے۔"

بادشاہ کے علاوہ اس میں اپنا اپنا حرم اور زمان خانہ رکھتے تھے اور جس کے حرم میں چھٹی عورتیں ہوتی تھیں، اتنی ہی اس کی عورت ہوتی تھی، چنانچہ کسی اعلیٰ خاندان کی عورت شادی کرتی تھی تو اس کے ساتھ دو کنیریاں بھی جاتی تھیں۔

لکھنؤ پارکس نے اودھ کے حرم کے بارے میں لکھا ہے کہ

"یہ زمان خانہ گھٹے جوڑا اور سادہ کی جگہ ہوتی تھی۔ اگر کسی بیوی کے ہاں لڑکا جنم ہوتا تھا تو وہ اس بات کا اظہار کرتی تھی کہ مجھے وہ محل سے ہوا اور چچی دانت کی عورتوں سے جو محل سے ہوتی تھیں انہیں بلا کر محل میں رکھتی تھیں اور ان میں سے کسی سے بچے لے کر اسے اپنا ظاہر کرتی تھی اس کے بدلے میں اس کی ماں کو ۵۰ روپے دے دیئے جاتے تھے اور بعض حالات میں انہیں رات کے خوف سے ہر دوے کر مار ڈالا جاتا تھا۔"

حرم چاہے وہ عثمانی سلاطین کا ہو یا مغلیہ، اس میں کا یا مرد کا یہ عورت کے لیے ایک قید گھر کہ جس میں رہنے والے وہ ہرگز اس سے پہلے کوئی قدرتی فوجی اور ظالم نہیں سے جہالت اور کسمپاشی کے ساتھ کر لیتی پڑتی تھی۔ اس لیے حالات میں عورت کا جوہر سن بٹا۔ وہ تاری جھوٹو کرنے والا اور بے حس تھا۔ اس لیے بہت کم حالات میں ایسا ہوا کہ کچھ عورتوں سے قابل طور پر کچھ ترقی کی ہو۔ کیونکہ پائندگی کی وجہ سے وہ اپنے جذبات کا اظہار کرتی نہیں سکتی تھیں۔ مثلاً اور غریب کی لڑکیاں ہوتی تھیں، مگر اور غریب نے دیوانہ خانہ کے پڑھنے تک پہنچنے کی گارنٹی تھی۔

اس لیے زمان خانے کی تنہائی اور چار دیواری میں عورت بالکل بے خبر ہو جاتی تھی۔ ایک مگر یہ عورت سب مہر حسن علی نے ہندوستان کے رسم و رواج پر جو کتاب لکھی تھی اس میں اس سے بتائی کہ جو اس نے دیکھی ہیں اور ان رویاؤں اور باتوں کا ذکر کرتی جو غریب ہی میں تھے تو اس کی زبردست خواہش ہوتی کہ وہ ان چیزوں کو دیکھے ہو لکھتی ہے کہ

"میں نے یہ ذکر کیا کہ میں اس کے شوہر اور والد سے اجازت کے لیے لوگ گیا کہ وہ چھوٹی کی سیر کر سکے، لیکن دونوں نے اس بات کو پسند نہیں کیا کہ وہ باہر نکلے۔ میں نے انہیں ہرگز اس بات سے یہ بات کہی۔ اس پر اس نے غمی سے جواب دیا کہ اس میں میری اسی قصور ہے کہ میں نے اس چیز کی طرف توجہ کی کہ جس کے لیے میرا کوئی حق نہیں تھا۔ مجھے امید ہے کہ میرا شوہر اور خاندان میری اس پکارت حرکت پر مجھ سے ناراض نہیں ہوگا۔ میرا بانی کر کے اٹھل سمجھ دیجیے کہ میں اپنے آپ سے بہت بیشیاں ہوں کہ میں نے یہ حماقت کیوں کی اور مجھے اس پر سخت پریشانی ہوئی کہ جب میں ان سے ملوں گی اور اس موضوع پر بات کروں گی۔"

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ عورت کی اپنی خواہشات، جنہاں میں اور آرزوئیں تمام کی تمام مرد کے ماتحت ہو چکی تھیں اور اس کی زندگی کا ایک ہی مقصد تھا کہ اس کا شوہر اس کا باپ اس سے خوش رہے۔ جب قانونی بیوی اور خاندان کا یہ سب سے قدر گرا جائے، دنیا کے بارے میں اسے بے خبر بنا

۱۔ چاند سے دیکھ کر سب سے پہلے اس صورت میں عورت
نکلتی ہے۔ اس کے بعد اس کے ساتھ ساتھ اس کے ساتھ ساتھ

(نوٹ) ۱۔ چاند سے دیکھ کر سب سے پہلے اس صورت میں عورت نکلتی ہے۔ اس کے بعد اس کے ساتھ ساتھ اس کے ساتھ ساتھ
۲۔ چاند سے دیکھ کر سب سے پہلے اس صورت میں عورت نکلتی ہے۔ اس کے بعد اس کے ساتھ ساتھ اس کے ساتھ ساتھ
۳۔ چاند سے دیکھ کر سب سے پہلے اس صورت میں عورت نکلتی ہے۔ اس کے بعد اس کے ساتھ ساتھ اس کے ساتھ ساتھ
۴۔ چاند سے دیکھ کر سب سے پہلے اس صورت میں عورت نکلتی ہے۔ اس کے بعد اس کے ساتھ ساتھ اس کے ساتھ ساتھ
۵۔ چاند سے دیکھ کر سب سے پہلے اس صورت میں عورت نکلتی ہے۔ اس کے بعد اس کے ساتھ ساتھ اس کے ساتھ ساتھ
۶۔ چاند سے دیکھ کر سب سے پہلے اس صورت میں عورت نکلتی ہے۔ اس کے بعد اس کے ساتھ ساتھ اس کے ساتھ ساتھ
۷۔ چاند سے دیکھ کر سب سے پہلے اس صورت میں عورت نکلتی ہے۔ اس کے بعد اس کے ساتھ ساتھ اس کے ساتھ ساتھ
۸۔ چاند سے دیکھ کر سب سے پہلے اس صورت میں عورت نکلتی ہے۔ اس کے بعد اس کے ساتھ ساتھ اس کے ساتھ ساتھ
۹۔ چاند سے دیکھ کر سب سے پہلے اس صورت میں عورت نکلتی ہے۔ اس کے بعد اس کے ساتھ ساتھ اس کے ساتھ ساتھ
۱۰۔ چاند سے دیکھ کر سب سے پہلے اس صورت میں عورت نکلتی ہے۔ اس کے بعد اس کے ساتھ ساتھ اس کے ساتھ ساتھ

اس طرح گیت، قصے اور کہانیاں عورتوں میں محفوظ رہے اور ان کی تعلیم، ثقافت اور رسوم و رواج کا بہترین
ماخذ بن گئیں اور انہوں نے تعلیم، ثقافت اور تعلیم کو ایک عرصے تک محفوظ رکھا۔ آج بھی عورتیں بہت سی
جگہوں پر تعلیم حاصل کر رہی ہیں اور ان کی تعلیم اور تعلیم سے کتنی ہیں۔

حوالہ جات

- ۱۔ فریڈرک لارڈ (Lords of the Golden Horn) (لندن: ۱۹۷۹ء) ص ۳۵۰-۳۵۹
- ۲۔ مولانا ابوالکلام آزاد، "تاریخ ہندوستان" (دہلی: ۱۹۶۹ء) ص ۹۰
- ۳۔ ایسا ہی ۱۰
- ۴۔ "Wanderings of a Pilgrim in Search of The Picturesque" (لندن: ۱۸۸۶ء) ص ۵۲
- ۵۔ ایسا ہی ۳۹۰
- ۶۔ ایسا ہی ۳۹۳
- ۷۔ مسٹر میر حسن علی، "Observations of Mussalman of India" (کراچی: ۱۹۷۸ء) ص ۲۸-۲۹

مثالی عورت

عہد وسطیٰ میں دنیا کے تقریباً تمام معاشروں میں کہ جو تہذیب یافتہ تھے، وہیں عورت سماجی طور پر
تربیت پائی اور شادی کا مقصد لڑکے پیدا کرنا اور خاندان کو بڑھانا تھا۔ اس لیے عورت کے لیے
باہمی محبت، پاکیزہ باہمی اور باہمی ہونا لازمی ہو چکا تھا۔ خون کی پاکیزگی کا نظریہ انہوں میں رائج
تھا اور اس لیے عورتوں کی تعلیمات کی خدمت کی جاتی تھی۔ ساتھ ہی میں گھر اور عورت، راز و
محرور تھے۔ مرد کے لیے گھر میں سکون آرام اور تسکین، صحت کی دوائی اور عورت ہی تھی،
اس لیے دنیا کے مختلف معاشروں میں ایسا رعب اکثریت سے پیدا ہوا کہ جس میں ایک مثالی عورت
کی خوبیاں کو بیان کیا گیا ہے تاکہ مرد کو یہ بتا دیا جائے کہ ایسی عورت سے شادی کرے اور گھر کے
سکون کو حاصل کرے۔ اس قسم کے ادب کی بہترین مثال ہندوستان میں لکھی جانے والی کتاب
"کام شاستر" ہے۔ اس میں خصوصیت سے ہندوستان کی اس سماجی زندگی کی عکاسی کرتا ہے جو کہ
امرد کے طبقے میں تھی۔

اس میں کہا گیا ہے کہ شادی کا سب سے بڑا مقصد یہ ہوتا ہے کہ لڑکا پیدا ہو تاکہ گھر کے چل
نکلے چکے ہندوؤں میں باپ کے مرے پر اس کی چٹا کو گم نہ لگاسکے۔ اس لیے لڑکے کا
ہونا اس رسم کو پورا کرنے کے لیے ضروری تھا کہ شادی ایک عورت کی لڑکی سے ہو جو کہ کوری
ہو۔ شادی کے علاوہ مرد جنسی تعلقات کسی بھی ذات کی عورت سے رکھ سکتا ہے۔ ایک چھٹی پڑی
میں ان شرطوں کا ہونا لازمی ہے۔ ماں باپ زندہ ہوں، شوہر سے کم از کم تین سال چھوٹی ہو اچھے
خاندان سے ہو، دولت مند ہو، خاندان بڑا اور اتفاق رکھنے والا ہو، حسدانی طور پر خوب صورت ہو

در ہاتھ کر۔ کی، لک، جو جسم پر خوش قسمتی کے نشانات ہوں، ممانعت، ممانعت، کان، بال، آنکھیں اور بیہوشی ہو۔

ایک اور قسم کی جن میں منہ بچہ کی خصوصیات ہوں اور بچہ کی بننے کے لیے ناموزوں ہیں مثلاً جب عاشق اس کے پاس آئے تو وہ سوتی ہوئی یا روتی ہوئی ہے۔ جس کا نام بد قسمتی ہے ہوتا ہے جسے چھپا کر رکھا گیا ہو جس کی دوسرے سے شک کی گئی ہو، سرخ، لال، وان ہو جس میں مزاح خصوصیات ہوں جیسے سر، ہونٹ، ناخنوں، دن، پورے، ہاتھ، وان ش کی کے گتے ہیں، یہ عورت بھی رہے کہ بوسہ شادی کے نتیجے میں پیدا ہوئی، جو مہ، جس، چھوٹی، جس اس سے زیادہ خوب صورت اور جس کے ہاتھ کیلے رہتے ہوں۔

خرید گیا گیا ہے کہ عورت جس کا نام ستارے، دریا، یا درخت پر ہوا جس کے نام میں رہا، آئے اس سے تعلقات نہیں رکھنا چاہیے۔ جو بہت سفید اور کافی ہو سے رتہ دانہ کے طور پر رکھے اور نہ بطور بیوی کے۔

بیوی کے فرائض کی تفصیلات دیتے ہوئے کہا گیا ہے کہ اپنے شوہر کی اس طرح خدمت کرے جیسے ہوتا کہ بچائی رہتے ہیں۔ کھانے، پیے، تفریحات اور عبادت سنگھ۔ میں اس کی پسند، ناپسند کا خیال رکھے۔ ان کے دوستوں کو خوش آمدید کہے اور اس کے والدین اور رشتے داروں کا احترام کرے۔ جب وہ گھر آئے تو دروازہ اس کے پاس جاتے اور اس کے ساتھ ساتھ رہے، ان کی بیوی اور شکار میں اس کے پاس رہے۔ اگر وہ ناراض ہو تو بھی اس سے غصے سے نہیں بڑے۔ کسی تفریب میں اس کی مرضی کے خلاف نہ جائے۔ اس سے پوچھنے بغیر کسی کو کچھ نہ دے۔ ایسا کوئی کام نہ کرے جس سے اس کی پاک دامنی پر شبہ ہو۔ خراب کردار کی عورتوں سے دور رہے۔ گھر کے دیگران خصوص میں نہ جائے۔ "کام شاستر" اور اس قسم کا ادب نہ ہے۔ لیکن اگر نہ چاہے تو اس سے دور رہے۔ گفتگو میں اصرار نہ کرے۔ زور سے نہ تو بے در نہ لے، شوہر کے والدین سے زیارت و بازی نہیں کرے۔ پاس کا خیال رکھے۔ جب باہر جائے تو چند زیارات پہنچے اور خوشبو استعمال سے لگائے۔ صرف سفید پھولوں سے سجھار کرے۔ جب شوہر سے ملنا ہو تو پورا ہوا خیال رکھے۔ صاف ستھرے لباس پہنے جو شہد استعمال کرے۔ زیارت پہنچے، بیوی میں پھول ڈالے، ہاتھوں در کانوں میں ہونے پہنے در ہاتھ پر نشانات لگائے، شوہر کے سامنے جب بھی جائے تو نہ زیارات

ضرور پہننے ہوتے ہوں۔ جب شوہر گھر سے دور ہو تو بیوی کو اس طرح رہنا چاہیے کہ جیسے وہ اہم میں ہو، زیارات اتار دے اور صرف جوڑیاں پہننے رہے۔ زیارات کی ممانعت کرے۔ ترمیمی رشتے داروں کے ہاں بھی نہ جائے در گھر جائے اور یا یہ نہیں خبر ہے۔

یہ عورت کی ذمہ داری ہے کہ وہ پانچ پاٹ کے سارے خطامات کرے اور شوہر کے ذمے جو کچھ ہوں انہیں وہ پورا کرے۔ مگر کے انتظامات کو سنبھالے، مگر کے خرچے کا پورا چاہے، رکھے، کر شرف نفس فرمائی ہو تو سے تنہائی میں سمجھ ہے۔

عورتوں کو گھر کے دروازے پر کھڑے ہونے اور باہر کے لوگوں کو دیکھنے کی اجازت نہیں تھی۔ کھڑکی سے بھی نہیں، اس لیے احتیاطاً ملح تھا کہ وہ شوہر کے استقبال کے لیے دروازے پر جائے۔ بلکہ اس کا انداز تھا کہ اسے۔ نہ یہی جیسے دھڑکوں میں بھی شوہر کی مرضی کے بغیر جانے کی اجازت نہیں تھی۔

عورت کے لیے ضروری تھا کہ زیادہ تعلیم یافتہ نہ ہو، تاکہ وہ عاشقانہ خطوط نہ لکھ سکے۔ تعلیم اس استاد سے حاصل کرے جس پر حقاد ہو۔ اس لیے ضروری ہے کہ "کام شاستر" کی مسودات حاصل کرے۔ اعلیٰ ادب و شاعری پر مبنی ضروری تھا۔

ہندو معاشرے میں ایک مثالی عورت یا بیوی کا جو تصور ہے، اس قسم کا تصور مسلموں کے معاشرے میں ہے کہ کم از کم عورت کے معاملے میں دونوں ایک ہو جاتے ہیں۔ مسلمان معاشرے کے بارے میں سب سے اچھی سند امام غزالی کی ہے، جنہوں نے "احیاء العلوم" میں ایک شان عورت کی خوبیاں بتائی ہیں۔

غزالی بھی شادی کا اذیت منہ پر قرار دیتے ہیں کہ اس کے نیچے میں وہ بچہ ہونا چاہیے تاکہ نسل باقی رہے۔ لڑکا ضرور ہونا چاہیے تاکہ مرنے کے بعد اس سے دعا کی توقع کی جائے۔ طلاق کرنے کے بہت سے فوائد ہیں، مثلاً اس کی بعد سے کھانا کالے، بھانڈو، بچے، فٹ، چھپے، بچے اور دوسرے گھر کے کام سے فرخت ہو جاتی ہے، آؤدی گھر میں، گیارہ تو پریشانی ہوتی ہے، مگر کا کا نہ کہ تے وقت نہ کچ کرنا ہوتا ہے، در سر و علم عمل کے لیے فارغ نہیں رہتا ہے۔ اس لیے مگر بھر نہیں رہنا چاہیے بلکہ سے دو تین ہواں رکھی جائیں۔

غزالی اچھی بیوی کی خصوصیات بتاتے ہوئے لکھتے ہیں کہ نیک بخت و دین دار ہو، اگر اپنی

نے شیر بنایا ہے اگر دیوار برستی سے کوئی ان کو پر کرنا چاہے تو ممکن ہے۔ بس آسان ترکیب ان کو پر کرنے کی خوشامد اور تابعداری ہے۔ بی بی نہ تو سب کو پھونکتی ہے نہ بدل سکتی ہے اور نہ اس سے کسی حال میں بے یار ہو سکتی ہے تو سوال اس کے کہ چھوڑے اس کی ہو رہے اور ملاحظت و قریاتہ واری سے خوشامد ہے۔ جس طرح ممکن ہو اس کو اپنا کہ کے عزت و آبرو کی زندگی بسر کرے۔

اس کے علاوہ وہ یوں چار کے آداب بتاتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

گفتگو میں دوجہ اوستا ملحوظ رہے بہت لکھنے کا بجا مبر ہوتا ہے

صدور صبر کسی بات پر رہا نہیں قربانت کسی چیز کی نہیں کرتی چاہیے۔ قربانت کرنے سے آدمی بھروسے سے نہ رہتا ہے۔

ہندو اور مسلمان معاشرے کے ساتھ ساتھ یورپ کے عیسائی معاشرے میں بھی ایک مثالی عورت کے بارے میں کم دیشی یہی خیالات تھے۔ ایک مثالی عورت میں وہ خوبیاں ہوتی چاہئیں کہ جو مرد کی خواہشات اور ضروریات کے مطابق ہوں۔ ان نظریات سے اندازہ ہوتا ہے کہ عورت کی اپنی ذات اور شخصیت کو بالکل نظر انداز کر دیا گیا ہے اور اسے اس بات پر مجبور کیا گیا ہے کہ وہ جو کو مرد کی مرضی کے مطابق ڈھالے اور یہ ڈھالنے کا کام مرد کا ذریعہ تھا کہ جو اس مقصد کے لیے ناگھ ٹل بنا کر دیتا تھا۔ "کام شاستر" کا مصنف یو یو افران و سوناماشرف علی تھانوی ہوں۔ یہ سب مر کے نقطہ نظر کا اظہار کرتے ہیں۔ یورپ کے عیسائی معاشرے میں عورت کے بارے میں یہ خیال نے جس مثال عورت کے بارے میں خیالات کا غلبہ کیا ہے وہ اس سے بڑی مثبت دیکھتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ عورت کے لیے سب سے زیادہ دوسرا چیز یہ ہے کہ وہ سب سے زیادہ تعلیم دہ جائے اور اس مسئلے پر کسی سوچ و پیرور بحث کو محاش نہیں۔ اس لیے اس کے حساب میں لڑکیوں کے لیے مذہبی تعلیم لازمی ہونی چاہیے۔ کیونکہ اس سے شوہر کو سب سے زیادہ دہ ہوگا کیونکہ مذہبی تعلیم کے (پر اثر و اعانت گزار اور خدمت گزار ہوگی۔

آگے چل کر وہ کہتا ہے کہ ہمیں لڑکیوں کی تربیت اس طرح سے کرنی چاہیے کہ فوراً و گرنہ کریں بلکہ صرف یقین کرنا سیکھیں۔ ہمیں یہی تعلیم کی ضرورت ہے کہ جو خوب صورتی اور دلکشی کی بجائے

عورتوں کی محنت و عصمت کی خوبیاں پیدا کرے۔ عورت کے لیے ہر ہائی سے زیادہ خدمت کا جذبہ ہونا چاہیے۔ عورتوں کو لکھنے کا فن، بیاداری لڑائیں اور حساب کی تعلیم دینی چاہیے اور انہیں تھوڑی بہت تاریخ اور جغرافیہ کے بارے میں پتہ ہونا چاہیے، ان کے لیے ضروری کٹن کردہ غیر ملکی باتیں ہیں۔

عورتوں کے لیے ضروری ہے کہ انہیں پورا سال مصروف رکھا جائے اور کوشش کی جائے کہ ہر کام وہ اپنے ہاتھوں سے کریں۔ انہیں کپڑے بننے، روڑے کرنے اور کڑھائی کا کام آنا چاہیے۔ اپنے شوہر اور بچوں کی پیاداری میں دیکھ بھال کرنی چاہیے عورتوں کے لیے قرض ضروری ہے، انہیں وہ چیز اور اسلئے قرض کی ضرورت نہیں۔ انہیں موسیقی سے بھی شغف ہونا چاہیے مگر صرف گانے تک۔ اس سے زیادہ نہیں۔

لڑکیوں کو کسی بھی شکل میں اسٹیج پر نہیں آنا چاہیے اور نہ ہی اس کو ایسی سرگرمیوں میں حصہ لینے کی بات ہو جن سے مقابلہ اور رقابت کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ مقابلہ بازی عورتوں میں نہ ہونا چاہیے۔ اسے جدوت کو ابھارنا نہیں چاہیے کیونکہ ان سے ان میں نفرت و عداوت کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ عورتوں کی شخصیت کے لیے خطرناک ہوں گے۔ یہ بین کا کہنا ہے کہ عورتوں کے لیے تعلیم کی اس لیے ضرورت نہیں کیونکہ ان کی زندگی کا اولین و آخری مقصد شادی کرنا ہوتا ہے۔ یہ تعلیم عورتوں کو بہت ہی عظیم و تربیت خانی حدود کے اندر ہونی چاہیے۔ صرف اتنی جس قدر کہ شوہر کو ضرورت ہے۔ کیونکہ دوسری صورت میں رہتا رہتا وہ ذہنی اور باصلاحیت ہو کر اس پر برتری کے لیے نصرا ہو جائیگی۔

اس لیے ہر معاشرے میں مثالی عورت کے نظریات کا سب سے بڑا مقصد یہ تھا کہ عورت کی صلاحیتوں کو کس طرح سے محدود کیا جائے اور اس کی ذہانت کو کیسے آگے بڑھنے سے روکا جائے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے مرد کی مدد، مذہبی و سماجی روایات نے کی۔

حوالہ جات

- ۲۔ ایسا ص ۸۹
- ۳۔ ایسا ص ۱۳۱ ۲۳
- ۴۔ ایسا ص ۲۹
- ۵۔ ایسا ص ۴۶ ۱۲
- ۶۔ "القوانين الاجتماعية للعلوم الدينية" ترجمہ مولانا افسانہ نازکی، مکتبہ رحمانیہ (لاہور) ص ۵۵-۶۰
- ۷۔ ایسا ص ۹۷ ۷۷
- ۸۔ ایسا ص ۱۰۷-۱۰۸ ۸۶ ۸۷ ۸۸ ۸۹ ۹۰ ۹۱ ۹۲ ۹۳ ۹۴ ۹۵ ۹۶ ۹۷ ۹۸ ۹۹ ۱۰۰
- ۹۔ ڈبلیو ڈی ایس، سراج اسلام آباد (لاہور) ص ۶-۱۰
- ۱۰۔ ایسا ص ۱۲
- ۱۱۔ دی ڈی مہاشی، پریس آف ایڈیوٹرز، لاہور ص ۱۰۰-۱۰۲

اس موضوع پر تفصیل کے لیے دیکھیے ڈاکٹر مراد علی، عورت معاشرہ، نسلی تاریخ، لاہور ۱۹۴۲ء۔

عورت اور طوائف

طوائف کے پیشے کا جو اڑپن کرتے ہوئے یہ کہا جاتا ہے کہ یہ دنیا کا قدیم ترین پیشہ ہے اس سلسلے میں یہ دلیل ہے کہ چونکہ اس پیشے کی ضرورت رہی ہے اس لیے اس کا وجود بھی ہو گیا اس دلیل میں عقلی طور پر عورت کو اس بات کا قائلے دار نہیں دیا جاتا ہے کہ اس نے اس پیشے کو اختیار کیا۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کسی چیز کی طلب کے لیے گاہکوں کا ہونا ضروری ہے۔ اگر گاہک نہ ہوں گے تو چر بھی نہ ہوگی۔ اکثر معاشروں میں یہ دلیل دی جاتی ہے کہ طوائف کا پیشہ شادی کے لیے ضروری ہے۔ کیونکہ اگر طوائف نہ ہوگی تو مرد اپنی متنوع جنسی خواہشات پوری نہیں کر سکے گا اور معاشرے میں جنسی بتری پھیل جائے گی۔ اس لیے طوائف شادی اور خاندان کے ادارے کو مضبوط بنانے میں مدد دیتی ہے۔

طوائف کے بارے میں یہ وہ بھی ہے کہ چونکہ یہ معاشرے کی قدردانی اور دیاریت سے بھری ہے اس لیے اس کی اصلاح کرنی چاہیے اور جسم فروشی کو روکنے کے لیے اسے سزا دی جائے۔ مگر اس دلیل کے ذریعے عورت کو سزا کی مستحق ٹھہرتی ہے مگر مرد جو گاہک ہے اسے سزا نہیں دینی جاتی ہے اور نہ ہی اس کی خواہشات کو روکنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اس کے جواب میں یہ کہہ دینی جاتی ہے کہ چونکہ عورت خود کو فروخت کے لیے پیش کرتی ہے اس لیے جرم اس کا ہے اور اس پر سزا دیے ہی روکا جاسکتا ہے۔ وہ بھرم اس لیے ہے کہ وہ ظاہر اور گاہک دونوں کا ہے۔ دراصل جسم فروشی کا تعلق معاشرے میں سماجی فرق سے پیدا ہوتا ہے کہ جو عورت اور مرد کے اندر ہوتا ہے۔ چونکہ مرد کے پاس طاقت ہوتی ہے اس لیے وہ جبر سے اپنی خواہشات پوری کرتا ہے

طرف سے گرا دے گا۔

مثنوی مذہب میں چھ نکات پات کے بارے میں سخت اصول ہیں، اس لیے اور پرک تین اہلی
داؤن کی صورت طوائف نہیں ہو سکتی تھی۔ یہ ضرورت کی صورتوں کے لیے تھا کہ وہ اس پتے کو اختیار
کریں، بلکہ طائف کا پیشہ اختیار کرنے والوں کی ذاتیں نہیں اور اس طرح ان کی دانت میں۔ اس
داس حلقہ تھا، جیسے کہ ہر دست نے اسے اس کا پیشہ اس کا جرم تھا اسی طرح ہونے کے لیے نہ
کا پیشہ بہرہ تھا اور ان کی تربیت پیشہ درآمد طور پر ہو کر تھی۔ ایک طائف کی ماں بیاں کرتی ہے
کہ بڑھتی پیدا ہونے کے بعد سے اس کی پرورش اور تربیت میں مصروف ہو جاتی ہے۔ وہ اس کے
سب سے اعلیٰ فخر جو کرتی ہے کہ جو اس میں توانائی، پھرتی، بحال رنگ اور ذہانت پیدا کر دے۔ وہ
اس کا خیال رکھتی ہے کہ کچھ سال کی عمر کے بعد وہ اپنے باپ کو بھی نہ دیکھ پائے۔ اس کے علاوہ وہ
اس کی تربیت کرتی ہے کہ کس طرح سے مردوں کے دل کو بھائے اور اس مقصد کے لیے اسے
رقص، موسیقی، گانے، مصوری وغیرہ کو سیکھنا پڑتا ہے۔ کھانے کے بارے میں اس کی رائے،
خوشبوؤں کا استعمال اور ساتھ ہی لکھنے پڑھنے میں مہارت اور پونے کے فن میں دسترس اس کے
بے ضروری ہوتا ہے۔ اس کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ وہ زبان کی قواعد کے بارے میں جانے،
منطق کے اصولوں سے واقف ہو اور یہ حاصل کرنے میں مہارت، سنے بازی اور شہرے کے مکمل
سے خوب واقف ہو، جب وہ باہر جائے تو ضروری ہے کہ اس کے ساتھ ذوق برقی لباس میں ملازم
ہوں۔ وہ ایسے استادوں کا انتخاب کرے کہ جو اسے اپنے علم و فنون میں باہر بنادیں۔ اپنی
خوبصورتی کی تحفہ بخشوں کے ذریعے کرائے۔ ایسے خوشامیوز کو ملازم رکھے جو شہر میں عمارتیں و
امراء کے ہاوسوں میں اس کی خوبصورتی، کردار و لکشی، فنون میں مہارت اور مناس کی تعریف
کریں۔ وہ اس وقت اپنی قیمت بڑھاے جب کہ اس کے چاہنے والے اس کے لیے بے چین
ہوں، اور ان لوگوں کو گامک بنائے جو دولت مند، خوب صورت، توانا، عیاض، بہادر اور جیسے کردار
کے ہوں اور جو لوگ اس میں ہر پرورے نہیں انہیں خوش اسلوبی سے، پنے سے دور رکھے
اور ان کے لیے لوگوں کے سامنے طرے فخر سے کہے، ان پر چہ بیتیاں کہے اور ان کو دلکش کرے،
تا کہ وہ خود بخود دور ہو جائیں۔

قدیم ہندوستان میں طوائفوں کے بارے میں جو ادب تخلیق ہو اس سے علاوہ ہوتا ہے کہ

موصوف معشرے میں ہریت اختیار کر چکی تھی، اس لیے اس کو کئی قسموں میں تقسیم کیا گیا ہے۔
سب سے پہلے اس کا کچھ کہانی تھی جو صرف جوہانی میں پکارتی تھی۔ مگر ۱۳ ویں
شہادتی تھی کہ یہ اس کے چاہنے والوں میں نہ صرف، ورنہ ہوتے تھے بددور رہا۔
بھی اس کے خواہش مند ہوتے تھے اور اس کو حاصل کرنے کے لیے زبردست مقابلہ کرتے تھے۔
شاعر اس کی خوبیوں کے بارے میں تھیدے لکھتے تھے۔

”مہابھارت“ میں بھی طوائفوں کو مختلف وجوہ میں تقسیم کیا گیا ہے، وہ طوائفیں جو بادشاہ کی
ضروریات پوری کرتی تھیں۔ شہری طوائفیں جن کے مشہور کوٹھے ہوتے تھے کہ جہاں شہر کے امرا
جاتے تھے، اور دیساں جو کہ مندروں میں دیوتاؤں کی طوائفیں ہوتی تھیں اور عام طوائفیں۔

بہی صورت حال میں جن اور جاپان کے معاشرہ میں تھی۔ چین میں عورتوں کی پاکیزگی پر زور
دیا جاتا تھا۔ مگر مرد کے لیے دوسری صورتوں سے جنسی تعلقات رکھنا جائز تھا، اور اسی مقصد کے لیے
طوائف کا ادارہ قائم ہوا۔ چین میں اس طرح دو قسم کی طوائفیں تھیں، ایک وہ جن سے جنسی تعلقات
رکھے جاتے تھے اور دوسری جو ”گانے وان لڑکیاں“ کہلاتی تھیں، یہ ادیب، شاعر، محقق اور
موسیقی میں ماہر ہوتی تھیں اور گانوں کو چڑھتی عدا افراتم کرتی تھیں۔

جاپان میں شادی کا تعلق محبت سے نہیں ہوتا تھا، بلکہ اس کا مطلب محبت مند اولاد پر پیدا
کرنا ہوتا تھا۔ اسی لیے وہاں ”گیشا“ کا ادارہ وجود میں آیا کہ جو مرد کو جسمانی و ذہنی طور پر خوش و
مطمئن کرتی تھیں۔

جاپان کا معاشرہ مردوں کا معاشرہ تھا کہ جس میں عورت کو بحیثیت بیوی اور کنیز مرد کی جائیداد
سمجھا جاتا تھا۔ اگر کوئی مرد عورت کو اور خالے کی کوشش کرتا تھا تو عورت اسے اپنا گناہ سمجھ کر خودکشی
کر لیتی۔ مرد کی برتری کی وجہ سے جاپان کے معاشرے میں بھی یہ روایت تھی کہ بیوی اپنے پیدا
کرنے اور خاندان کی دیکھ بھال کے لیے ہے جب کہ طوائف جسمانی خوشی دینے کے لیے۔

گیشا کہ جس کے معنی ہیں ”وہ جو کسی بیٹے میں ماہر ہو۔“ جاکیرا کہ بیٹے دار ہاں میں پیشہ و زور میں
رکھتے تھے اور انہیں دو قسموں میں بانٹ رکھا تھا۔ ہاکوری اور کارونی۔ کارونی گانا بجانے میں ماہر
ہوتی تھی اور یہ لازم تھا کہ صرف گیشا ہی آراستہ بن سکتی تھی۔ گانا بجانے والی گیشا صرف موسیقی و
رقص کے لیے ہوتی تھیں۔ ان سے جنسی تعلقات نہیں کئے جاتے تھے۔

جہاں میں بدعت تھا کہ مرنے والے کے لیے گھر سے باہر جانے تھے۔ بیوی کو وہ صرف گھر کے کمرے کے لیے لے جاتا تھا۔ اس بے لائق میں سے ہاتھ نہ کر سکتے تھے۔ آخر جہاں کا سربراہ بیٹا ہوتا تھا۔ یہاں چاہے کتنا ہی کمزور ہوتا تھا۔ تاہم اس چاہے خاندان میں تہذیبی و کاردہار کی معاہدے کرتے تھے اور اس کے دوران گلیشا کا ہونا نہ رہی تھا۔ اس لیے بڑے با اثر تھیں اور یہی رکھتے تھے۔

جہاں میں خواہ ایک محرم پیشہ ورین کی تھی۔ اس لیے اس کا مرد ہار کے لوگ نوجوان لڑکیوں کو خرید کر انہیں رقص و موسیقی کی تعلیم دیتے تھے اور لکھنا پڑھنا بھی سکھاتے۔ انہیں بعد میں دولت مند لوگوں کے چار سات گوارے کے لیے بھیجا جاتا تھا۔

جہاں میں طوائف کے پیشے کو برا نہیں سمجھا جاتا تھا۔ یہ رواج بھی تھا کہ نوجوان لڑکیاں چائے خانوں میں بطور پیشہ اسے اختیار کر لیتی تھیں اور اگر یہاں انہیں کوئی شادی کی پیشکش کرتا تو وہ پیشہ چھوڑ کر اس کی ہو جاتی تھیں۔ جہاں میں عورت طوائف سے دوبارہ محرم عورت بن سکتی تھی۔ یہ ایک ایسا پیشہ تصور ہوتا تھا کہ جو ہمیشہ کے لیے نہیں ہوتا تھا۔ جب عورت طوائف بنتی تھی تو اپنا خاندانی نام چھوڑ دیتی تھی، مگر رہائش کے بعد جب وہ پیشہ چھوڑتی تو خاندان کا نام اختیار کر لیتی تھی۔ یہی عورت کی معاشرے میں اس لیے عزت تھی کہ وہ خاندان کے لیے قربانی دیتی ہے۔ لوگ بھی ان سے خوش خوشی شادی کرتے تھے کیونکہ اس صورت میں انہیں تعلیم یافتہ اور سیکھ مند بیوی مل جاتی تھی۔

مسلمان معاشرے میں کثیر کی وجہ سے بیوی کا سماجی رتبہ گرا ہوا تھا اور یہاں بھی بیوی مرد کے تابع اور قلم میں تھی۔ اس کے مقابلے میں کثیر اس سے سماجی رتبے میں بڑھی ہوئی تھی اور ایک شخص اپنی بیوی کی عزت کے بارے میں تو غیر متاثر ہوتا تھا، مگر کثیر کے بارے میں نہیں۔ بیوی کو سختی کے ساتھ پر دے میں رکھا جاتا تھا، مگر کثیر کے ساتھ یہ سختی نہیں تھی، اس لیے معاشرے میں شادی شدہ عورت اور کثیر دو مختلف درجے رکھتی تھی۔

مسلمان حکمران اور سر واپی دولت اور ثروت کے لیے ان کی تعلیم و تربیت کا خصوصی انتظام ہوتا تھا۔ یہ رقص و موسیقی اور ادب و شاعری میں حلق ہوتی تھیں، دوران کی موجودگی میں شادی شدہ بیگمات کی

وقت کم ہو جاتی تھی۔

امپراطور میں کثیروں کی مانگ بڑھ گئی تھی اور ان کی قیمت ان کی خوبصورتی اور فنون لطیفہ میں مہارت کی بنا پر ہوتی تھی۔ عباسی خلیفہ امین نے کثیروں کا ایک دستہ تیار کیا تھا کہ جس کے پاس چھوٹے ہونے تھے اور وہ مردوں کا لباس پہنتی اور کتار پاں باندھتی تھیں۔

خلیفہ مامون کے ہاں ایک دن ایک شخص نے بیس یونان کثیروں کو دیکھا جو گردنوں میں صلیبیں ڈالے رقص کر رہی تھیں۔ خلیفہ التوکل کے پاس چار ہزار کثیریں تھیں جن سے اس کے جیسی نشاطات تھے۔

ہندوستان میں مسلمان حکمرانوں کے عہد میں ہمیں تاریخ سے عورت فائز نظر آتی ہے، یہاں تک کہ ہمارے حوزہ باور میں کی بیگمات کے نام تک نہیں دیتے اور مائے ادب سے ان کے بارے میں احتیاطی جملے لکھ دیتے جاتے ہیں۔ مرد اپنے حرم میں اگر چہ چار بیگمات رکھتے تھے، مگر طلاق کے ذریعے وہ ہمیشہ واپس کرتے رہتے تھے اور کثیروں کی تعداد اس کے علاوہ تھی۔ اکبر کے دو دھڑیک بھائی مرزا غریز کو کہہ کے ہارے میں ہے کہ وہ کہا کرتا تھا کہ والد ارادہ کی کو چار عورتیں رکھتی چاہیں ایک عورت، مہاجرت و گفتگو کے لیے دوسری خراسانی، حذراری کے لیے تیسری ہمدانی، ہم بستری کے لیے چوتھی مادراء النہری مدینیت کے لیے تاکہ دوسروں کو عبرت ہو سکے۔

مطلوب کے عروج میں چونکہ ہر دار و منصب دار اپنا عہدہ و دربار اور حرم رکھتے تھے اس لیے وہ ایک طرف تو کثیروں کو خرید کر ان سے موسیقی و رقص اور دوسرے فنون سے لطف اندوز ہوتے تھے۔ اس کے علاوہ مشہور طوائفوں کو اپنے گھروں یا محلات میں بلا کر ان کے ساتھ بسر کرتے، ان جیسو میں گھر کی بیگمات شریک نہیں ہوتی تھیں لیکن مطلوب کے آخری عہد میں جب بڑے بڑے منصب دار نہیں رہے تو اس وقت طوائفوں کے کوٹھے وجود میں آئے اور امراء نے انہیں بلائے کے بجائے خود ان کے کوٹھوں پر جانا شروع کر دیا۔ چونکہ یہ طوائف بچے، گائے اور ادب میں مشائق ہوتی تھیں اس لیے ان کے کوٹھے ادب و شاعری و ثقافت کے مرکز بن گئے۔

نواب درگاہی خان (وفات ۱۷۶۶ء) جس نے مرزا شاہر علیہ کے زمانے میں دہلی کی سیر کی "دائرۃ الفیاض" میں اس وقت کی مشہور طوائفوں کا ذکر کرتا ہے کہ جن امراء کے حلقے میں مشہور تھیں

ان شہرت کی وجہ صرف ان کی جسمانی خوبصورتی ہی نہیں بلکہ ان کا فن تھا کہ جس میں نہ لگانے
تھیں اور ہر ایک کے پارے میں لکھتے تھے۔

ان شہرت کی بلندی اس وجہ سے کہ ان کے ہر قدم سے دیکھنے کی انتظار کرتے
تھیں یا انتظار تو خیر اس کے کچھ چلے جاتے ہیں۔ اس کا گھر دوست ممدوں
نے عروسوں کی طرح ہر قسم کے سہاگنوں میں رکھتا ہے اور اس کی حاضری
لکھنے پر کتنے ہی چہ و چاش و رچہ بد آگئے تھے۔ ہوتے ہیں جن میں
بے نظیر ہے اور کتنوں اس کے کہ اس کی باتوں میں مزہ آتا ہے۔ رومرو
اس قدر عجب کہ کان بولے بہار میں غولے لگائیں۔ عمارے کا استعمال
ایسا کہ زبان بچوں کی چپاں تر آتی ہے۔ کلموں و ادب کے طور طریقوں
کا کھاڑا ایسا کہ ادیبوں کو اس سے درس لینا چاہیے۔ حاضرین مجلس کی
پاسداری اس انداز کی کہ قہر بے لفاظی کا درس دینے والوں کو نصیحت لینی
پڑے۔

اور گاہے گاہے کے پارے میں لکھتے ہیں کہ

”چنی بھی دہل کے شاہر میں سے ہے اور ہوا تک اس کی رسائی
ہے۔ موتی میں کمال کے ہر حصے پر عمر کے صاحب کمال سے ملتی
ہے۔ اس کمال کے علاوہ خوش صحبت بھی ہے اور خوش دور مر بھی۔“

لہذا آخری عہد مغلیہ میں طوائف ثنائیت کی ایک اہم علامت بن گئی اور ادب و شاعری، موسیقی
و قیاس اور دوسرے فنون میں نہ صرف وہ ماہر ہوتی ہیں بلکہ ان کا دل کی سرپرستی بھی کرتی تھیں۔
چونکہ انہیں اسرار کی سرپرستی حاصل تھی اور تھوڑا کتب کی شکل میں ان کے پاس بہت عیب آتا تھا۔
اس لیے اس کا سبب زندگی بھی بلند ہو۔ اور ساتھ ہی طرزِ رہائش میں نفاس و دل آویزی آتی اور
ذائق میں مشکل و پاکیزگی پیدا ہوتی، یہی وجہ تھی کہ بڑے بڑے امراء و اہل علم طوائفوں سے اپنی
دوستی اور تعلقات پر فخر کرتے تھے، ورنہ یہ باعثِ شرم نہیں سمجھتے تھے۔ ایک ادیب ان کے پارے
میں لکھتے ہیں کہ

”اس زمانے کی طوائفیں چونکہ تعلیم و تربیت سے محض بہرہ ور ہوتی تھیں

اس لیے وہ معاشرت میں ایک مقام رکھتی تھیں۔ اپنی وجہ سے حکیم ہنر
اور مولے نہ کبھی اپنی صاحبِ جن سے تعلق کی شہرت و باوقی
نہ نہ جا، اور نہ کسی کو غلامی لکھن و شہر۔ ان میں ہر
بے اختیار سے شہرت کا ہے۔ ان کے پاس سب سے بھی ہیں۔
پنے اس اثر پر ہر دور میں رہیں۔

۱۷۔ ۱۸۔ ۱۹۔ ۲۰۔ ۲۱۔ ۲۲۔ ۲۳۔ ۲۴۔ ۲۵۔ ۲۶۔ ۲۷۔ ۲۸۔ ۲۹۔ ۳۰۔ ۳۱۔ ۳۲۔ ۳۳۔ ۳۴۔ ۳۵۔ ۳۶۔ ۳۷۔ ۳۸۔ ۳۹۔ ۴۰۔ ۴۱۔ ۴۲۔ ۴۳۔ ۴۴۔ ۴۵۔ ۴۶۔ ۴۷۔ ۴۸۔ ۴۹۔ ۵۰۔ ۵۱۔ ۵۲۔ ۵۳۔ ۵۴۔ ۵۵۔ ۵۶۔ ۵۷۔ ۵۸۔ ۵۹۔ ۶۰۔ ۶۱۔ ۶۲۔ ۶۳۔ ۶۴۔ ۶۵۔ ۶۶۔ ۶۷۔ ۶۸۔ ۶۹۔ ۷۰۔ ۷۱۔ ۷۲۔ ۷۳۔ ۷۴۔ ۷۵۔ ۷۶۔ ۷۷۔ ۷۸۔ ۷۹۔ ۸۰۔ ۸۱۔ ۸۲۔ ۸۳۔ ۸۴۔ ۸۵۔ ۸۶۔ ۸۷۔ ۸۸۔ ۸۹۔ ۹۰۔ ۹۱۔ ۹۲۔ ۹۳۔ ۹۴۔ ۹۵۔ ۹۶۔ ۹۷۔ ۹۸۔ ۹۹۔ ۱۰۰۔ ۱۰۱۔ ۱۰۲۔ ۱۰۳۔ ۱۰۴۔ ۱۰۵۔ ۱۰۶۔ ۱۰۷۔ ۱۰۸۔ ۱۰۹۔ ۱۱۰۔ ۱۱۱۔ ۱۱۲۔ ۱۱۳۔ ۱۱۴۔ ۱۱۵۔ ۱۱۶۔ ۱۱۷۔ ۱۱۸۔ ۱۱۹۔ ۱۲۰۔ ۱۲۱۔ ۱۲۲۔ ۱۲۳۔ ۱۲۴۔ ۱۲۵۔ ۱۲۶۔ ۱۲۷۔ ۱۲۸۔ ۱۲۹۔ ۱۳۰۔ ۱۳۱۔ ۱۳۲۔ ۱۳۳۔ ۱۳۴۔ ۱۳۵۔ ۱۳۶۔ ۱۳۷۔ ۱۳۸۔ ۱۳۹۔ ۱۴۰۔ ۱۴۱۔ ۱۴۲۔ ۱۴۳۔ ۱۴۴۔ ۱۴۵۔ ۱۴۶۔ ۱۴۷۔ ۱۴۸۔ ۱۴۹۔ ۱۵۰۔ ۱۵۱۔ ۱۵۲۔ ۱۵۳۔ ۱۵۴۔ ۱۵۵۔ ۱۵۶۔ ۱۵۷۔ ۱۵۸۔ ۱۵۹۔ ۱۶۰۔ ۱۶۱۔ ۱۶۲۔ ۱۶۳۔ ۱۶۴۔ ۱۶۵۔ ۱۶۶۔ ۱۶۷۔ ۱۶۸۔ ۱۶۹۔ ۱۷۰۔ ۱۷۱۔ ۱۷۲۔ ۱۷۳۔ ۱۷۴۔ ۱۷۵۔ ۱۷۶۔ ۱۷۷۔ ۱۷۸۔ ۱۷۹۔ ۱۸۰۔ ۱۸۱۔ ۱۸۲۔ ۱۸۳۔ ۱۸۴۔ ۱۸۵۔ ۱۸۶۔ ۱۸۷۔ ۱۸۸۔ ۱۸۹۔ ۱۹۰۔ ۱۹۱۔ ۱۹۲۔ ۱۹۳۔ ۱۹۴۔ ۱۹۵۔ ۱۹۶۔ ۱۹۷۔ ۱۹۸۔ ۱۹۹۔ ۲۰۰۔ ۲۰۱۔ ۲۰۲۔ ۲۰۳۔ ۲۰۴۔ ۲۰۵۔ ۲۰۶۔ ۲۰۷۔ ۲۰۸۔ ۲۰۹۔ ۲۱۰۔ ۲۱۱۔ ۲۱۲۔ ۲۱۳۔ ۲۱۴۔ ۲۱۵۔ ۲۱۶۔ ۲۱۷۔ ۲۱۸۔ ۲۱۹۔ ۲۲۰۔ ۲۲۱۔ ۲۲۲۔ ۲۲۳۔ ۲۲۴۔ ۲۲۵۔ ۲۲۶۔ ۲۲۷۔ ۲۲۸۔ ۲۲۹۔ ۲۳۰۔ ۲۳۱۔ ۲۳۲۔ ۲۳۳۔ ۲۳۴۔ ۲۳۵۔ ۲۳۶۔ ۲۳۷۔ ۲۳۸۔ ۲۳۹۔ ۲۴۰۔ ۲۴۱۔ ۲۴۲۔ ۲۴۳۔ ۲۴۴۔ ۲۴۵۔ ۲۴۶۔ ۲۴۷۔ ۲۴۸۔ ۲۴۹۔ ۲۵۰۔ ۲۵۱۔ ۲۵۲۔ ۲۵۳۔ ۲۵۴۔ ۲۵۵۔ ۲۵۶۔ ۲۵۷۔ ۲۵۸۔ ۲۵۹۔ ۲۶۰۔ ۲۶۱۔ ۲۶۲۔ ۲۶۳۔ ۲۶۴۔ ۲۶۵۔ ۲۶۶۔ ۲۶۷۔ ۲۶۸۔ ۲۶۹۔ ۲۷۰۔ ۲۷۱۔ ۲۷۲۔ ۲۷۳۔ ۲۷۴۔ ۲۷۵۔ ۲۷۶۔ ۲۷۷۔ ۲۷۸۔ ۲۷۹۔ ۲۸۰۔ ۲۸۱۔ ۲۸۲۔ ۲۸۳۔ ۲۸۴۔ ۲۸۵۔ ۲۸۶۔ ۲۸۷۔ ۲۸۸۔ ۲۸۹۔ ۲۹۰۔ ۲۹۱۔ ۲۹۲۔ ۲۹۳۔ ۲۹۴۔ ۲۹۵۔ ۲۹۶۔ ۲۹۷۔ ۲۹۸۔ ۲۹۹۔ ۳۰۰۔ ۳۰۱۔ ۳۰۲۔ ۳۰۳۔ ۳۰۴۔ ۳۰۵۔ ۳۰۶۔ ۳۰۷۔ ۳۰۸۔ ۳۰۹۔ ۳۱۰۔ ۳۱۱۔ ۳۱۲۔ ۳۱۳۔ ۳۱۴۔ ۳۱۵۔ ۳۱۶۔ ۳۱۷۔ ۳۱۸۔ ۳۱۹۔ ۳۲۰۔ ۳۲۱۔ ۳۲۲۔ ۳۲۳۔ ۳۲۴۔ ۳۲۵۔ ۳۲۶۔ ۳۲۷۔ ۳۲۸۔ ۳۲۹۔ ۳۳۰۔ ۳۳۱۔ ۳۳۲۔ ۳۳۳۔ ۳۳۴۔ ۳۳۵۔ ۳۳۶۔ ۳۳۷۔ ۳۳۸۔ ۳۳۹۔ ۳۴۰۔ ۳۴۱۔ ۳۴۲۔ ۳۴۳۔ ۳۴۴۔ ۳۴۵۔ ۳۴۶۔ ۳۴۷۔ ۳۴۸۔ ۳۴۹۔ ۳۵۰۔ ۳۵۱۔ ۳۵۲۔ ۳۵۳۔ ۳۵۴۔ ۳۵۵۔ ۳۵۶۔ ۳۵۷۔ ۳۵۸۔ ۳۵۹۔ ۳۶۰۔ ۳۶۱۔ ۳۶۲۔ ۳۶۳۔ ۳۶۴۔ ۳۶۵۔ ۳۶۶۔ ۳۶۷۔ ۳۶۸۔ ۳۶۹۔ ۳۷۰۔ ۳۷۱۔ ۳۷۲۔ ۳۷۳۔ ۳۷۴۔ ۳۷۵۔ ۳۷۶۔ ۳۷۷۔ ۳۷۸۔ ۳۷۹۔ ۳۸۰۔ ۳۸۱۔ ۳۸۲۔ ۳۸۳۔ ۳۸۴۔ ۳۸۵۔ ۳۸۶۔ ۳۸۷۔ ۳۸۸۔ ۳۸۹۔ ۳۹۰۔ ۳۹۱۔ ۳۹۲۔ ۳۹۳۔ ۳۹۴۔ ۳۹۵۔ ۳۹۶۔ ۳۹۷۔ ۳۹۸۔ ۳۹۹۔ ۴۰۰۔ ۴۰۱۔ ۴۰۲۔ ۴۰۳۔ ۴۰۴۔ ۴۰۵۔ ۴۰۶۔ ۴۰۷۔ ۴۰۸۔ ۴۰۹۔ ۴۱۰۔ ۴۱۱۔ ۴۱۲۔ ۴۱۳۔ ۴۱۴۔ ۴۱۵۔ ۴۱۶۔ ۴۱۷۔ ۴۱۸۔ ۴۱۹۔ ۴۲۰۔ ۴۲۱۔ ۴۲۲۔ ۴۲۳۔ ۴۲۴۔ ۴۲۵۔ ۴۲۶۔ ۴۲۷۔ ۴۲۸۔ ۴۲۹۔ ۴۳۰۔ ۴۳۱۔ ۴۳۲۔ ۴۳۳۔ ۴۳۴۔ ۴۳۵۔ ۴۳۶۔ ۴۳۷۔ ۴۳۸۔ ۴۳۹۔ ۴۴۰۔ ۴۴۱۔ ۴۴۲۔ ۴۴۳۔ ۴۴۴۔ ۴۴۵۔ ۴۴۶۔ ۴۴۷۔ ۴۴۸۔ ۴۴۹۔ ۴۵۰۔ ۴۵۱۔ ۴۵۲۔ ۴۵۳۔ ۴۵۴۔ ۴۵۵۔ ۴۵۶۔ ۴۵۷۔ ۴۵۸۔ ۴۵۹۔ ۴۶۰۔ ۴۶۱۔ ۴۶۲۔ ۴۶۳۔ ۴۶۴۔ ۴۶۵۔ ۴۶۶۔ ۴۶۷۔ ۴۶۸۔ ۴۶۹۔ ۴۷۰۔ ۴۷۱۔ ۴۷۲۔ ۴۷۳۔ ۴۷۴۔ ۴۷۵۔ ۴۷۶۔ ۴۷۷۔ ۴۷۸۔ ۴۷۹۔ ۴۸۰۔ ۴۸۱۔ ۴۸۲۔ ۴۸۳۔ ۴۸۴۔ ۴۸۵۔ ۴۸۶۔ ۴۸۷۔ ۴۸۸۔ ۴۸۹۔ ۴۹۰۔ ۴۹۱۔ ۴۹۲۔ ۴۹۳۔ ۴۹۴۔ ۴۹۵۔ ۴۹۶۔ ۴۹۷۔ ۴۹۸۔ ۴۹۹۔ ۵۰۰۔ ۵۰۱۔ ۵۰۲۔ ۵۰۳۔ ۵۰۴۔ ۵۰۵۔ ۵۰۶۔ ۵۰۷۔ ۵۰۸۔ ۵۰۹۔ ۵۱۰۔ ۵۱۱۔ ۵۱۲۔ ۵۱۳۔ ۵۱۴۔ ۵۱۵۔ ۵۱۶۔ ۵۱۷۔ ۵۱۸۔ ۵۱۹۔ ۵۲۰۔ ۵۲۱۔ ۵۲۲۔ ۵۲۳۔ ۵۲۴۔ ۵۲۵۔ ۵۲۶۔ ۵۲۷۔ ۵۲۸۔ ۵۲۹۔ ۵۳۰۔ ۵۳۱۔ ۵۳۲۔ ۵۳۳۔ ۵۳۴۔ ۵۳۵۔ ۵۳۶۔ ۵۳۷۔ ۵۳۸۔ ۵۳۹۔ ۵۴۰۔ ۵۴۱۔ ۵۴۲۔ ۵۴۳۔ ۵۴۴۔ ۵۴۵۔ ۵۴۶۔ ۵۴۷۔ ۵۴۸۔ ۵۴۹۔ ۵۵۰۔ ۵۵۱۔ ۵۵۲۔ ۵۵۳۔ ۵۵۴۔ ۵۵۵۔ ۵۵۶۔ ۵۵۷۔ ۵۵۸۔ ۵۵۹۔ ۵۶۰۔ ۵۶۱۔ ۵۶۲۔ ۵۶۳۔ ۵۶۴۔ ۵۶۵۔ ۵۶۶۔ ۵۶۷۔ ۵۶۸۔ ۵۶۹۔ ۵۷۰۔ ۵۷۱۔ ۵۷۲۔ ۵۷۳۔ ۵۷۴۔ ۵۷۵۔ ۵۷۶۔ ۵۷۷۔ ۵۷۸۔ ۵۷۹۔ ۵۸۰۔ ۵۸۱۔ ۵۸۲۔ ۵۸۳۔ ۵۸۴۔ ۵۸۵۔ ۵۸۶۔ ۵۸۷۔ ۵۸۸۔ ۵۸۹۔ ۵۹۰۔ ۵۹۱۔ ۵۹۲۔ ۵۹۳۔ ۵۹۴۔ ۵۹۵۔ ۵۹۶۔ ۵۹۷۔ ۵۹۸۔ ۵۹۹۔ ۶۰۰۔ ۶۰۱۔ ۶۰۲۔ ۶۰۳۔ ۶۰۴۔ ۶۰۵۔ ۶۰۶۔ ۶۰۷۔ ۶۰۸۔ ۶۰۹۔ ۶۱۰۔ ۶۱۱۔ ۶۱۲۔ ۶۱۳۔ ۶۱۴۔ ۶۱۵۔ ۶۱۶۔ ۶۱۷۔ ۶۱۸۔ ۶۱۹۔ ۶۲۰۔ ۶۲۱۔ ۶۲۲۔ ۶۲۳۔ ۶۲۴۔ ۶۲۵۔ ۶۲۶۔ ۶۲۷۔ ۶۲۸۔ ۶۲۹۔ ۶۳۰۔ ۶۳۱۔ ۶۳۲۔ ۶۳۳۔ ۶۳۴۔ ۶۳۵۔ ۶۳۶۔ ۶۳۷۔ ۶۳۸۔ ۶۳۹۔ ۶۴۰۔ ۶۴۱۔ ۶۴۲۔ ۶۴۳۔ ۶۴۴۔ ۶۴۵۔ ۶۴۶۔ ۶۴۷۔ ۶۴۸۔ ۶۴۹۔ ۶۵۰۔ ۶۵۱۔ ۶۵۲۔ ۶۵۳۔ ۶۵۴۔ ۶۵۵۔ ۶۵۶۔ ۶۵۷۔ ۶۵۸۔ ۶۵۹۔ ۶۶۰۔ ۶۶۱۔ ۶۶۲۔ ۶۶۳۔ ۶۶۴۔ ۶۶۵۔ ۶۶۶۔ ۶۶۷۔ ۶۶۸۔ ۶۶۹۔ ۶۷۰۔ ۶۷۱۔ ۶۷۲۔ ۶۷۳۔ ۶۷۴۔ ۶۷۵۔ ۶۷۶۔ ۶۷۷۔ ۶۷۸۔ ۶۷۹۔ ۶۸۰۔ ۶۸۱۔ ۶۸۲۔ ۶۸۳۔ ۶۸۴۔ ۶۸۵۔ ۶۸۶۔ ۶۸۷۔ ۶۸۸۔ ۶۸۹۔ ۶۹۰۔ ۶۹۱۔ ۶۹۲۔ ۶۹۳۔ ۶۹۴۔ ۶۹۵۔ ۶۹۶۔ ۶۹۷۔ ۶۹۸۔ ۶۹۹۔ ۷۰۰۔ ۷۰۱۔ ۷۰۲۔ ۷۰۳۔ ۷۰۴۔ ۷۰۵۔ ۷۰۶۔ ۷۰۷۔ ۷۰۸۔ ۷۰۹۔ ۷۱۰۔ ۷۱۱۔ ۷۱۲۔ ۷۱۳۔ ۷۱۴۔ ۷۱۵۔ ۷۱۶۔ ۷۱۷۔ ۷۱۸۔ ۷۱۹۔ ۷۲۰۔ ۷۲۱۔ ۷۲۲۔ ۷۲۳۔ ۷۲۴۔ ۷۲۵۔ ۷۲۶۔ ۷۲۷۔ ۷۲۸۔ ۷۲۹۔ ۷۳۰۔ ۷۳۱۔ ۷۳۲۔ ۷۳۳۔ ۷۳۴۔ ۷۳۵۔ ۷۳۶۔ ۷۳۷۔ ۷۳۸۔ ۷۳۹۔ ۷۴۰۔ ۷۴۱۔ ۷۴۲۔ ۷۴۳۔ ۷۴۴۔ ۷۴۵۔ ۷۴۶۔ ۷۴۷۔ ۷۴۸۔ ۷۴۹۔ ۷۵۰۔ ۷۵۱۔ ۷۵۲۔ ۷۵۳۔ ۷۵۴۔ ۷۵۵۔ ۷۵۶۔ ۷۵۷۔ ۷۵۸۔ ۷۵۹۔ ۷۶۰۔ ۷۶۱۔ ۷۶۲۔ ۷۶۳۔ ۷۶۴۔ ۷۶۵۔ ۷۶۶۔ ۷۶۷۔ ۷۶۸۔ ۷۶۹۔ ۷۷۰۔ ۷۷۱۔ ۷۷۲۔ ۷۷۳۔ ۷۷۴۔ ۷۷۵۔ ۷۷۶۔ ۷۷۷۔ ۷۷۸۔ ۷۷۹۔ ۷۸۰۔ ۷۸۱۔ ۷۸۲۔ ۷۸۳۔ ۷۸۴۔ ۷۸۵۔ ۷۸۶۔ ۷۸۷۔ ۷۸۸۔ ۷۸۹۔ ۷۹۰۔ ۷۹۱۔ ۷۹۲۔ ۷۹۳۔ ۷۹۴۔ ۷۹۵۔ ۷۹۶۔ ۷۹۷۔ ۷۹۸۔ ۷۹۹۔ ۸۰۰۔ ۸۰۱۔ ۸۰۲۔ ۸۰۳۔ ۸۰۴۔ ۸۰۵۔ ۸۰۶۔ ۸۰۷۔ ۸۰۸۔ ۸۰۹۔ ۸۱۰۔ ۸۱۱۔ ۸۱۲۔ ۸۱۳۔ ۸۱۴۔ ۸۱۵۔ ۸۱۶۔ ۸۱۷۔ ۸۱۸۔ ۸۱۹۔ ۸۲۰۔ ۸۲۱۔ ۸۲۲۔ ۸۲۳۔ ۸۲۴۔ ۸۲۵۔ ۸۲۶۔ ۸۲۷۔ ۸۲۸۔ ۸۲۹۔ ۸۳۰۔ ۸۳۱۔ ۸۳۲۔ ۸۳۳۔ ۸۳۴۔ ۸۳۵۔ ۸۳۶۔ ۸۳۷۔ ۸۳۸۔ ۸۳۹۔ ۸۴۰۔ ۸۴۱۔ ۸۴۲۔ ۸۴۳۔ ۸۴۴۔ ۸۴۵۔ ۸۴۶۔ ۸۴۷۔ ۸۴۸۔ ۸۴۹۔ ۸۵۰۔ ۸۵۱۔ ۸۵۲۔ ۸۵۳۔ ۸۵۴۔ ۸۵۵۔ ۸۵۶۔ ۸۵۷۔ ۸۵۸۔ ۸۵۹۔ ۸۶۰۔ ۸۶۱۔ ۸۶۲۔ ۸۶۳۔ ۸۶۴۔ ۸۶۵۔ ۸۶۶۔ ۸۶۷۔ ۸۶۸۔ ۸۶۹۔ ۸۷۰۔ ۸۷۱۔ ۸۷۲۔ ۸۷۳۔ ۸۷۴۔ ۸۷۵۔ ۸۷۶۔ ۸۷۷۔ ۸۷۸۔ ۸۷۹۔ ۸۸۰۔ ۸۸۱۔ ۸۸۲۔ ۸۸۳۔ ۸۸۴۔ ۸۸۵۔ ۸۸۶۔ ۸۸۷۔ ۸۸۸۔ ۸۸۹۔ ۸۹۰۔ ۸۹۱۔ ۸۹۲۔ ۸۹۳۔ ۸۹۴۔ ۸۹۵۔ ۸۹۶۔ ۸۹۷۔ ۸۹۸۔ ۸۹۹۔ ۹۰۰۔ ۹۰۱۔ ۹۰۲۔ ۹۰۳۔ ۹۰۴۔ ۹۰۵۔ ۹۰۶۔ ۹۰۷۔ ۹۰۸۔ ۹۰۹۔ ۹۱۰۔ ۹۱۱۔ ۹۱۲۔ ۹۱۳۔ ۹۱۴۔ ۹۱۵۔ ۹۱۶۔ ۹۱۷۔ ۹۱۸۔ ۹۱۹۔ ۹۲۰۔ ۹۲۱۔ ۹۲۲۔ ۹۲۳۔ ۹۲۴۔ ۹۲۵۔ ۹۲۶۔ ۹۲۷۔ ۹۲۸۔ ۹۲۹۔ ۹۳۰۔ ۹۳۱۔ ۹۳۲۔ ۹۳۳۔ ۹۳۴۔ ۹۳۵۔ ۹۳۶۔ ۹۳۷۔ ۹۳۸۔ ۹۳۹۔ ۹۴۰۔ ۹۴۱۔ ۹۴۲۔ ۹۴۳۔ ۹۴۴۔ ۹۴۵۔ ۹۴۶۔ ۹۴۷۔ ۹۴۸۔ ۹۴۹۔ ۹۵۰۔ ۹۵۱۔ ۹۵۲۔ ۹۵۳۔ ۹۵۴۔ ۹۵۵۔ ۹۵۶۔ ۹۵۷۔ ۹۵۸۔ ۹۵۹۔ ۹۶۰۔ ۹۶۱۔ ۹۶۲۔ ۹۶۳۔ ۹۶۴۔ ۹۶۵۔ ۹۶۶۔ ۹۶۷۔ ۹۶۸۔ ۹۶۹۔ ۹۷۰۔ ۹۷۱۔ ۹۷۲۔ ۹۷۳۔ ۹۷۴۔ ۹۷۵۔ ۹۷۶۔ ۹۷۷۔ ۹۷۸۔ ۹۷۹۔ ۹۸۰۔ ۹۸۱۔ ۹۸۲۔ ۹۸۳۔ ۹۸۴۔ ۹۸۵۔ ۹۸۶۔ ۹۸۷۔ ۹۸۸۔ ۹۸۹۔ ۹۹۰۔ ۹۹۱۔ ۹۹۲۔ ۹۹۳۔ ۹۹۴۔ ۹۹۵۔ ۹۹۶۔ ۹۹۷۔ ۹۹۸۔ ۹۹۹۔ ۱۰۰۰۔ ۱۰۰۱۔ ۱۰۰۲۔ ۱۰۰۳۔ ۱۰۰۴۔ ۱۰۰۵۔ ۱۰۰۶۔ ۱۰۰۷۔ ۱۰۰۸۔ ۱۰۰۹۔ ۱۰۱۰۔ ۱۰۱۱۔ ۱۰۱۲۔ ۱۰۱۳۔ ۱۰۱۴۔ ۱۰۱۵۔ ۱۰۱۶۔ ۱۰۱۷۔ ۱۰۱۸۔ ۱۰۱۹۔ ۱۰۲۰۔ ۱۰۲۱۔ ۱۰۲۲۔ ۱۰۲۳۔ ۱۰۲۴۔ ۱۰۲۵۔ ۱۰۲۶۔ ۱۰۲۷۔ ۱۰۲۸۔ ۱۰۲۹۔ ۱۰۳۰۔ ۱۰۳۱۔ ۱۰۳۲۔ ۱۰۳۳۔ ۱۰۳۴۔ ۱۰۳۵۔ ۱۰۳۶۔ ۱۰۳۷۔ ۱۰۳۸۔ ۱۰۳۹۔ ۱۰۴۰۔ ۱۰۴۱۔ ۱۰۴۲۔ ۱۰۴۳۔ ۱۰۴۴۔ ۱۰۴۵۔ ۱۰۴۶۔ ۱۰۴۷۔ ۱۰۴۸۔ ۱۰۴۹۔ ۱۰۵۰۔ ۱۰۵۱۔ ۱۰۵۲۔ ۱۰۵۳۔ ۱۰۵۴۔ ۱۰۵۵۔ ۱۰۵۶۔ ۱۰۵۷۔ ۱۰۵۸۔ ۱۰۵۹۔ ۱۰۶۰۔ ۱۰۶۱۔ ۱۰۶۲۔ ۱۰۶۳۔ ۱۰۶۴۔ ۱۰۶۵۔ ۱۰۶۶۔ ۱۰۶۷۔ ۱۰۶۸۔ ۱۰۶۹۔ ۱۰۷۰۔ ۱۰۷۱۔ ۱۰۷۲۔ ۱۰۷۳۔ ۱۰۷۴۔ ۱۰۷۵۔ ۱۰۷۶۔ ۱۰۷۷۔ ۱۰۷۸۔ ۱۰۷۹۔ ۱۰۸۰۔ ۱۰۸۱۔ ۱۰۸۲۔ ۱۰۸۳۔ ۱۰۸۴۔ ۱۰۸۵۔ ۱۰۸۶۔ ۱۰۸۷۔ ۱۰۸۸۔ ۱۰۸۹۔ ۱۰۹۰۔ ۱۰۹۱۔ ۱۰۹۲۔ ۱۰۹۳۔ ۱۰۹۴۔ ۱۰۹۵۔ ۱۰۹۶۔ ۱۰۹۷۔ ۱۰۹۸۔ ۱۰۹۹۔ ۱۱۰۰۔ ۱۱۰۱۔ ۱۱۰۲۔ ۱۱۰۳۔ ۱۱۰۴۔ ۱۱۰۵۔ ۱۱۰۶۔ ۱۱۰۷۔ ۱۱۰۸۔ ۱۱۰۹۔ ۱۱۱۰۔ ۱۱۱۱۔ ۱۱۱۲۔ ۱۱۱۳۔ ۱۱۱۴۔ ۱۱۱۵۔ ۱۱۱۶۔ ۱۱۱۷۔ ۱۱۱۸۔ ۱۱۱۹۔ ۱۱۲۰۔ ۱۱۲۱۔ ۱۱۲۲۔ ۱۱۲۳۔ ۱۱۲۴۔ ۱۱۲۵۔ ۱۱۲۶۔ ۱۱۲۷۔ ۱۱۲۸۔ ۱۱۲۹۔ ۱۱۳۰۔ ۱۱۳۱۔ ۱۱۳۲۔ ۱۱۳۳۔ ۱۱۳۴۔ ۱۱۳۵۔ ۱۱۳۶۔ ۱۱۳۷۔ ۱۱۳۸۔ ۱۱۳۹۔ ۱۱۴۰۔ ۱۱۴۱۔ ۱۱۴۲۔ ۱۱۴۳۔ ۱۱۴۴۔ ۱۱۴۵۔ ۱۱۴۶۔ ۱۱۴۷۔ ۱۱۴۸۔ ۱۱۴۹۔ ۱۱۵۰۔ ۱۱۵۱۔ ۱۱۵۲۔ ۱۱۵۳۔ ۱۱۵۴۔ ۱۱۵۵۔ ۱۱۵۶۔ ۱۱۵۷۔ ۱۱۵۸۔ ۱۱۵۹۔ ۱۱۶۰۔ ۱۱۶۱۔ ۱۱۶۲۔ ۱۱۶۳۔ ۱۱۶۴۔ ۱۱۶۵۔ ۱۱۶۶۔ ۱۱۶۷۔ ۱۱۶۸۔ ۱۱۶۹۔ ۱۱۷۰۔ ۱۱۷۱۔ ۱۱۷۲۔ ۱۱۷۳۔ ۱۱۷۴۔ ۱۱۷۵۔ ۱۱۷۶۔ ۱۱۷۷۔ ۱۱۷۸۔ ۱۱۷۹۔ ۱۱۸۰۔ ۱۱۸۱۔ ۱۱۸۲۔ ۱۱۸۳۔ ۱۱۸۴۔ ۱۱۸۵۔ ۱۱۸۶۔ ۱۱۸۷۔ ۱۱۸۸۔ ۱۱۸۹۔ ۱۱۹۰۔ ۱۱۹۱۔ ۱۱۹۲۔ ۱۱۹۳۔ ۱۱۹۴۔ ۱۱۹۵۔ ۱۱۹۶۔ ۱۱۹۷۔ ۱۱۹۸۔ ۱۱۹۹۔ ۱۲۰۰۔ ۱۲۰۱۔ ۱۲۰۲۔ ۱۲۰۳۔ ۱۲۰۴۔ ۱۲۰۵۔ ۱۲۰۶۔ ۱۲۰۷۔ ۱۲۰۸۔ ۱۲۰۹۔ ۱۲۱۰۔ ۱۲۱۱۔ ۱۲۱۲۔ ۱۲۱۳۔ ۱۲۱۴۔ ۱۲۱۵۔ ۱۲۱۶۔ ۱۲۱۷۔ ۱۲۱۸۔ ۱۲۱۹۔ ۱۲۲۰۔ ۱۲۲۱۔ ۱۲۲۲۔ ۱۲۲۳۔ ۱۲۲۴۔ ۱۲۲۵۔ ۱۲۲۶۔ ۱۲۲۷۔ ۱۲۲۸۔ ۱۲۲۹۔ ۱۲۳۰۔ ۱۲۳۱۔ ۱۲۳۲۔ ۱۲۳۳۔ ۱۲۳۴۔ ۱۲۳۵۔ ۱۲۳۶۔ ۱۲۳۷۔ ۱۲۳۸۔ ۱۲۳۹۔ ۱۲۴۰۔ ۱۲۴۱۔ ۱۲۴۲۔ ۱۲۴۳۔ ۱۲۴۴۔ ۱۲۴۵۔ ۱۲۴۶۔ ۱۲۴۷۔ ۱۲۴۸۔ ۱۲۴۹۔ ۱۲۵۰۔ ۱۲۵۱۔ ۱۲۵۲۔ ۱۲۵۳۔ ۱۲۵۴۔ ۱۲۵۵۔ ۱۲۵۶۔ ۱۲۵۷۔ ۱۲۵۸۔ ۱۲۵۹۔ ۱۲۶۰۔ ۱۲۶۱۔ ۱۲۶۲۔ ۱۲۶۳۔ ۱۲۶۴۔ ۱۲۶۵۔ ۱۲۶۶۔ ۱۲۶۷۔ ۱۲۶۸۔ ۱۲۶۹۔ ۱۲۷۰۔ ۱۲۷۱۔ ۱۲۷۲۔ ۱۲۷۳۔ ۱۲۷۴۔ ۱۲۷۵۔ ۱۲۷۶۔ ۱۲۷۷۔ ۱۲۷۸۔ ۱۲۷۹۔ ۱۲۸۰۔ ۱۲۸۱۔ ۱۲۸۲۔ ۱۲۸۳۔ ۱۲۸۴۔ ۱۲۸۵۔ ۱۲۸۶۔ ۱۲۸۷۔ ۱۲۸۸۔ ۱۲۸۹۔ ۱۲۹۰۔ ۱۲۹۱۔ ۱۲۹۲۔ ۱۲۹۳۔ ۱۲۹۴۔ ۱۲۹۵۔ ۱۲۹۶۔ ۱۲۹۷۔ ۱۲۹۸۔ ۱۲۹۹۔ ۱۳۰۰۔ ۱۳۰۱۔ ۱۳۰۲۔ ۱۳۰۳۔ ۱۳۰۴۔ ۱۳۰۵۔ ۱۳۰۶۔ ۱۳۰۷۔ ۱۳۰۸۔ ۱۳۰۹۔ ۱۳۱۰۔ ۱۳۱۱۔ ۱۳۱۲۔ ۱۳۱۳۔ ۱۳۱۴۔ ۱۳۱۵۔ ۱۳۱۶۔ ۱۳۱۷۔ ۱۳۱۸۔ ۱۳۱۹۔ ۱۳۲۰۔ ۱۳۲۱۔ ۱۳۲۲۔ ۱۳۲۳۔ ۱۳۲۴۔ ۱۳۲۵۔ ۱۳۲۶۔ ۱۳۲۷۔ ۱۳۲۸۔ ۱۳۲۹۔ ۱۳۳۰۔ ۱۳۳۱۔ ۱۳۳۲۔ ۱۳۳۳۔ ۱۳۳۴۔ ۱۳۳۵۔ ۱۳۳۶۔ ۱۳۳۷۔ ۱۳۳۸۔ ۱۳۳۹۔ ۱۳۴۰۔ ۱۳۴۱۔ ۱۳۴۲۔ ۱۳۴۳۔ ۱۳۴۴۔ ۱۳۴۵۔ ۱۳۴۶۔ ۱۳۴۷۔ ۱۳۴۸۔ ۱۳۴۹۔ ۱۳۵۰۔ ۱۳۵۱۔ ۱۳۵۲۔ ۱۳۵۳۔ ۱۳۵۴۔ ۱۳۵

مکے کے خارجہ نہیں دی جاتی تھی بلکہ کھینے پھینے کے لیے مکتب بھی تھا۔
 وہیں صاحب لوکر تھے۔۔۔ مجھے ایسی ناکندہ ترش کو کہیں نے آدمی
 بنادیا۔۔۔ ان ہی کی بدولت آج آپ ایسے رفیق خالق صاحبوں کے جیسے
 میں منہ کھولنے کی جرأت ہوئی۔ شاعری و ہمدوں میں شرکت کا فخر حاصل
 ہوا۔ اعلیٰ درجے کی بیگمات کے گل میں گزر ہوا۔۔۔ عربی کی صرف و نحو و
 دو ایک رسالے منطق کے پڑھے۔۔۔ شاعری کے شوق کی ابتدا اور ابتدا
 سے آپ خود واقف ہیں۔

طرز رہائش کے بارے میں امراؤ خان اور حسن قمر کا نقشہ کھینچتی ہیں اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ
 مولویوں میں ذریعہ دولت کا حسن کس قدر بڑھ کر چلا تھا۔

’وڑ کے چنگ اور یوں سے کسے ہوئے، قرقر پر سخن چاندنی کھینچ
 ہوئی، ریزے بڑے تھی پانڈاں، مقابہ، حسن و اس حادوں، کالندار
 پتہ قریبوں سے رکھے ہوئے۔ دیواروں پر چھینی آئینے۔ محمد و محمد
 تصویریں، چھت میں چھت کیر پاں لگی ہوئی۔ جس کے درمیان ایک مختصر
 سماجی، ادھر ادھر پاشیاں سرشام سے دو گنول روشن ہو جاتے ہیں۔ دو
 دو مہربان اور دو خدمت گار ہاتھ باندھے کھڑے ہیں۔ خوب صورت
 رئیس زادے ہر وقت دس پہلے لے کو حاضر۔‘

امراؤ جان اس سوال کا جواب بھی دیتا ہے کہ آخر مریدوں کا کف کے پاس آتے ہیں،
 ’’ہیں کی وجہ یہ ہے کہ انسان کا حراج ہمت پسندی ہے۔ ایک حالت میں
 رنگ پر کرنے سے خواہ وہ کیسی ہی عمدہ کیوں نہ ہو۔ طبیعت اسکا جاتی
 ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ کسی طرح کا تعمیر اس کی حالت زندگی میں پیدا ہو۔
 شاید انادو دی کے ساتھ معاشرت کرے میں اسے ایک قسم کی فانی لذت
 ملتی ہے جو کبھی اس کے خیال میں نہ تھی۔‘

دینا تلور اولڈ برگ نے کھینٹو کی طوائفوں و ان کی روایت اور ان کے پیشے کے بارے میں جو
 تحقیق کی ہے اس سے اس دور اور اس کے بارے میں بہت سی نئی باتیں سامنے آتی ہیں۔

ایک چیز جو اس مطالعے سے واضح ہوتی ہے یہ کہ کھینٹو کے نوادوں کے زمانے میں معاشرے میں
 طوائفوں کا مقام سماجی طور پر بہت بلند تھا اور انہوں نے معاشرے کی ثقافتی زندگی میں اہم کردار ادا
 کیا مگر جیسے ہی کھینٹو کھیتی کے، قدرت اس میں آباد یہاں کی صورت حال میں گئی اور نوادوں کا
 وہ طبقہ جو طوائفوں اور ان کی ثقافتی سرگرمیوں کی سرپرستی کرتا تھا وہ ختم ہو گیا اور اس کی جگہوں پر یہ
 طبقہ جمہور میں گھس آیا جو اس ادارے کی مخالفت کرتا، دوران روایت کو ہٹا دیتی رکھتا

۱۸۵۷ء کے ہنگامے کے بعد طوائفوں کے درجے کو کھینٹو میں بڑی زور اس طرح سے پہنچی کہ
 اس ہنگامے کے بعد کھیتی کو ایسے ثبوت ملے کہ طوائفوں نے یاغیوں کی مالی طور پر مدد کی اور
 انگریزوں کے خلاف ن کی سرپرستی کی۔ اس جرم کے نتیجے میں اس طوائفوں کی جائیدادیں اور ان
 کے مالی و اسباب کو ضبط کر لیا گیا۔ صرف قیصر ہائے کی طوائفوں سے جو مال عہد ہو اس کا اندازہ
 چار ملین روپیہ ہے۔ اس ضلع کی وجہ سے ان کی مالی حالت بے انتہا متاثر ہوئی۔ اس حالت و
 اس کے نتیجے میں کیا سیکس کہ وہ باہر و اس کی سرپرستی ختم ہو چکی تھی اور انہیں پیش قیمت نیچے تحائف
 پر مجبور ہیں۔

تذکرہ۔۔۔ ایک طوائف کے کونٹے سے متعلق ادبی سرگرمیوں، موسیقی اور رقص وغیرہ
 تذکرہ۔۔۔ کے ہونے سے طوائف کا تعلق صرف جنسی کام ہمارے ہو گیا جس نے اس
 تذکرہ۔۔۔ کے پہلے کو برطانوی حکومت نے ان کے جنسی کاروبار پر نظر رکھتی
 تذکرہ۔۔۔ ان کا میڈیکل چیک اپ ہونے لگا اور انہیں خاص طور سے کٹھنمنٹ میں سپاہیوں
 کے لیے مخصوص کیا گیا۔

اولڈ برگ نے مولویوں سے جو تذکرہ ہے۔۔۔ سے یہ بات واضح ہو کر آتی ہے کہ ایک تو
 قدما کی طوائفیں مورتی میں اور دوسری مولویوں کی تھیں جو مردوں کے مطابق یا معاشرے کی
 بدولت سے تنگ آ رہی تھیں۔ مثلاً شاعر کے قلم کے خاندان و اس کے
 چاہ کی حالت بدشادی کاٹ ہوا، اسکی جوئے کی صورت میں لوگوں کی کوشش کہ اس کا جنسی استعمال
 کیا جائے، اس سے ان کے بے سود اور کوئی راستہ نہیں ہوتا تھا کہ وہ طوائف بن جائیں
 اس سے پہلے چھ نکو عورتوں کے لیے اور کوئی پیشہ نکلا ہوا نہیں تھا۔ اس لیے سوائے ان کے سوائے پیشہ
 کے ان کے لیے اور کوئی پیشہ نہیں تھا۔

چونکہ پیشہ اختیار کرنے سے فراہم ہوتا ہے وہ کسی کا اختیار نہیں رہتا ہے۔ اپنی روٹی خود کمانا ہے۔ اس لیے معاشرے میں پیشہ دہی عزت ہوتی ہے۔ ایک مظلوم عورت جو مردوں کی مستانی ہوتی ہو اور جس معاشرے میں اس کی زندگی انہجرت کر دی گئی ہو وہ یہ پیشہ اختیار کر کے ایک تو معاشرے کے بندھنوں سے آزاد ہو جاتی ہے۔ دوسرے اس میں اپنی اداوت سے اعتراف یہ نہ جانتا تھا۔ چونکہ ہمیں اس پیشے کو اختیار کرتے تھیں وہ معاشرے کی روایات سے جذبات لانے کی تھیں۔ اس لیے ان کے معاشرے میں ان کی اپنی روایات و اقدار ہوتی تھیں۔ مثلاً ان میں ہر گھربہد مسلک سے تعلق رکھنے والے عورت ہوتی تھیں۔ مگر وہ مذہبی معاملات میں بڑی روادار اور روشن خیال ہوتی تھیں۔ وہ مسلم اور ہندو دونوں کو مانتی تھیں اور دونوں کے مذہبی مقامات پر برکت کے لیے جاتی تھیں۔ ان کا ایک دوسرے سے تعلق پیشہ در نہ ہر دونوں کا تھا، کسی مذہبی تعلق سے نہیں۔ اس طرح طوائفوں کی دنیا میں لڑکی کی عزت تھی، اگر کسی کے گھر کی عید ہوتی تھی تو اس موقع پر خاص طور سے خوشی کا اہتمام ہوتا تھا اور جشن منایا جاتا تھا۔ لڑکے کے پیدا ہونے پر رنج و افسوس کا ظہور کیا جاتا تھا۔ کیونکہ لڑکان کے، حوال میں بیکار تھیں، اور لڑکی کی حیثیت وہ نہیں تھی جو کہ عام معاشرے میں ہوتی ہے، مثلاً اس کی شادی کی فکر، اس کے لیے جہیز کا انتظام کرنا اور اس کو اپنے لیے ایک بڑا جہاد اور اداوت سمجھنا اور جب اچھا لاکا مل جائے تو اس کے حوالے کر دینا۔ اس کے مقابے میں لڑکی آمدن کا ایک ذریعہ ہوتی تھی۔ وہ بڑے بڑے گاہکوں کی خدمت میں لڑکی اور وہ شادی بیاہ کے چکروں سے بالکل آزاد ہوتی تھی۔ مرد اس کے قلم ہوتے تھے اور وہ ان پر حکم چلاتی تھی۔

مواضع و عادات کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ اس کی اپنی روایات اور ماحول میں دیکھا جائے اور سے معاشرے کی اقدار کے تحت نہیں لایا جائے۔ مثلاً اکثر کہا جاتا ہے کہ طوائف کو شادی رے عزت کی زندگی اور نہ چاہیے اور کہ مضبوطی تو ہم اس قسم کی تحریک بھی چاہتے ہیں مگر ایک حرف کے لیے شادی کا دامن تو ہمارے ہر مرد سے اس کا سب سے بڑا رشتہ بند ہوتا ہے۔ شادی کا مطلب عام معاشرے کی روایت میں نہیں ہے کہ یہ مرد کا سام ہو یا نہ جائے اس کی جیسی جو بہشت کو چاہیے جائے۔ اس کی اور اس کے خاندان کی خدمت میں جائے جبکہ ایک طوائف یہ سمجھتی ہے کہ یہ مرد کی جائے یا وہ مرد اس کی جیسی جو بہشت پر کرے اور یہ وہ چیز ہوتی ہے۔ وہ راز ہوتی ہے وہ پری مرضی کی، نگہ ہوتی ہے۔ مرد کی پسند میں اس کی اپنی خواہش ہوتی

ہے اور اس طرح طوائفوں کی دنیا میں عورت کی مرضی چلتی ہے۔ وہ حکمران ہوتی ہے، مرد اس کی رعیت ہوتے ہیں۔

لکھنؤ میں نو ابوں کے جہد میں طوائفوں کا ادارہ اپنی ایک خاص حیثیت رکھتا تھا مگر بدلتے حالات میں اس میں تبدیلی آتی گئی۔ مثلاً اس سے پہلے یہاں پردوں کا کوئی وجود نہیں ہوتا تھا۔ گھروں کے اندر اس میں داخل ہوتے کر اس میں مردوں کی حاکمیت کو چھو کر دیا ہے۔ قلموں کی ابتدا کے بعد قلم و موسیقی جو اب تک طوائفوں کے کونے تک محدود تھی اب عام آدمی تک اس کی رسائی ہو گئی جس کی وجہ سے اکثر طوائفوں سے فلمی دنیا سے بچا راضہ کر دیا۔ اس طرح اس کی سماجی حیثیت کم سے کم ہوتی گئی۔ فلمی دنیا میں اور وہ صرف مردوں کی خوشی و لذت کو پورا کرنے کے لیے وہ گئی۔

اسی لیے ایک ایسے معاشرے میں کہ جہاں عورت پر پابندیاں ہوں۔ وہاں عورت طوائف کے درجہ میں آئے اور خود مختار اور باصلاحیت بن کے ابھرتی ہے اور اسی لیے تاریخ میں گریٹ عورتوں سے زیادہ طوائفوں کے نام آتے ہیں کہ جنہوں نے معاشرے کی سیاسی و ثقافتی اور سماجی زندگی میں اہم کردار ادا کیا اور ثقافتی دائروں اور روایات کو زندہ رکھا۔

ادب و طوائف کے ادارے کو جب علویت ملی تو اس کے ساتھ ہی فلمی ادب وجود میں آیا۔ جہد و تان میں "کاسٹ سسٹمز" اس جہد کی طرح ہے کہ جب جہد و تان میں معاشرے میں طوائف کا مروج ہو چکا تھا۔ جی کہ مسلمان معاشرے میں ہو۔ حارث چند نے سب سے پہلی مرتبہ اس میں کتاب لکھی۔ اس میں اس نے بتایا کہ تقریباً صدی میں عربوں میں خوش حال اداوت مند اور تاریخ اہمال مینے کے وجود میں آنے کے بعد فلمی ادب پیدا ہوا۔ یہ وہ دور تھا۔ جب ہندو میں کینڈوں کی تعداد میں اضافہ ہو چکا تھا، جو مختلف علاقوں اور گروہوں سے آئیں تھیں اور جن پر مختلف قسم کی تحریکات ہوتے تھے۔ اس لیے عرب فلمی ادب کے مختلف ادبوں سے واقف ہوئے۔ اس زمانے میں عرب عربی میں فلمی ادب لکھا کیا بلکہ عربی و عورتانی، جوانی اور لاشی رہا۔ اس نے فلمی ادب سے کیا اور فلمی نگہ سے ادب پیدا ہوا۔ اس کے بعد اس میں اہم کردار ادا کیا گیا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ اچاریہ کوٹلیہ "ارتھ سٹریٹس" راج گڑھ (نومبر ۱۹۹۱ء) ص ۶۹

- ۲۔ ایسا، ص ۳۷
- ۳۔ پی۔ تاسک، *Kama Kalpa or the Hindu Ritual of Love*، (پیشہ ۱۹۶۶ء)
- ۴۔ ص ۱۰۲-۱۰۱
- ۵۔ ایسا، ص ۱۰۳
- ۶۔ ڈی۔ ڈی۔ سب، *Our Oriental Heritage*، (نئی دہلی، ۱۹۶۶ء) ص ۷۱۰-۷۱۱
- ۷۔ شف۔ بیک، *The Presence of Love*، (پیشہ ۱۹۶۶ء) ص ۳۹۶-۳۹۸
- ۸۔ شامو، *Shamoo*، (پیشہ ۱۹۶۶ء) ص ۷۸۲
- ۹۔ ڈی۔ ڈی۔ سب، *Our Oriental Heritage*، (پیشہ ۱۹۶۶ء) ص ۷۸۲
- ۱۰۔ ڈی۔ ڈی۔ سب، *Our Oriental Heritage*، (پیشہ ۱۹۶۶ء) ص ۷۸۲
- ۱۱۔ ایسا، ص ۵۴
- ۱۲۔ مرز، *Merz*، (پیشہ ۱۹۶۶ء) ص ۷۸۲
- ۱۳۔ ایسا، ص ۵۴
- ۱۴۔ ایسا، ص ۵۴
- ۱۵۔ *Talwar Oldenburg. Life Style as Resistance The Courtesans of Lucknow. In. Contesting Power*، (پیشہ ۱۹۶۶ء) ص ۷۸۲

عورت اور شادی

عورت کی زندگی میں شادی کی اہمیت اس لحاظ سے ہے کہ اس ادارے کے تحت اسے محفوظ فراہم کیا جاتا ہے۔ شادی کے بعد عورت باپ کی حفاظت سے نکل کر شوہر کی حفاظت میں آ جاتی ہے۔ شوہر کی حفاظت کی اس لیے ضرورت ہوتی ہے کیونکہ باپ ہیٹھ اس کا ضمان نہیں دے سکتا۔ اس لیے عورت کے لیے بانی کی شادی ہیٹھ فکر کا باعث ہوتی ہے اور وہ یہ اپنا فرض سمجھتی ہیں کہ اسے دوسرا شوہر ملے گا۔ عورت کی زندگی میں شادی کی اہمیت اس لحاظ سے ہے کہ اس ادارے کے تحت اسے محفوظ فراہم کیا جاتا ہے۔ شادی کے بعد عورت باپ کی حفاظت سے نکل کر شوہر کی حفاظت میں آ جاتی ہے۔ شوہر کی حفاظت کی اس لیے ضرورت ہوتی ہے کیونکہ باپ ہیٹھ اس کا ضمان نہیں دے سکتا۔ اس لیے عورت کے لیے بانی کی شادی ہیٹھ فکر کا باعث ہوتی ہے اور وہ یہ اپنا فرض سمجھتی ہیں کہ اسے دوسرا شوہر ملے گا۔ عورت کی زندگی میں شادی کی اہمیت اس لحاظ سے ہے کہ اس ادارے کے تحت اسے محفوظ فراہم کیا جاتا ہے۔ شادی کے بعد عورت باپ کی حفاظت سے نکل کر شوہر کی حفاظت میں آ جاتی ہے۔ شوہر کی حفاظت کی اس لیے ضرورت ہوتی ہے کیونکہ باپ ہیٹھ اس کا ضمان نہیں دے سکتا۔ اس لیے عورت کے لیے بانی کی شادی ہیٹھ فکر کا باعث ہوتی ہے اور وہ یہ اپنا فرض سمجھتی ہیں کہ اسے دوسرا شوہر ملے گا۔

عورت کی زندگی میں شادی کی اہمیت اس لحاظ سے ہے کہ اس ادارے کے تحت اسے محفوظ فراہم کیا جاتا ہے۔ شادی کے بعد عورت باپ کی حفاظت سے نکل کر شوہر کی حفاظت میں آ جاتی ہے۔ شوہر کی حفاظت کی اس لیے ضرورت ہوتی ہے کیونکہ باپ ہیٹھ اس کا ضمان نہیں دے سکتا۔ اس لیے عورت کے لیے بانی کی شادی ہیٹھ فکر کا باعث ہوتی ہے اور وہ یہ اپنا فرض سمجھتی ہیں کہ اسے دوسرا شوہر ملے گا۔ عورت کی زندگی میں شادی کی اہمیت اس لحاظ سے ہے کہ اس ادارے کے تحت اسے محفوظ فراہم کیا جاتا ہے۔ شادی کے بعد عورت باپ کی حفاظت سے نکل کر شوہر کی حفاظت میں آ جاتی ہے۔ شوہر کی حفاظت کی اس لیے ضرورت ہوتی ہے کیونکہ باپ ہیٹھ اس کا ضمان نہیں دے سکتا۔ اس لیے عورت کے لیے بانی کی شادی ہیٹھ فکر کا باعث ہوتی ہے اور وہ یہ اپنا فرض سمجھتی ہیں کہ اسے دوسرا شوہر ملے گا۔ عورت کی زندگی میں شادی کی اہمیت اس لحاظ سے ہے کہ اس ادارے کے تحت اسے محفوظ فراہم کیا جاتا ہے۔ شادی کے بعد عورت باپ کی حفاظت سے نکل کر شوہر کی حفاظت میں آ جاتی ہے۔ شوہر کی حفاظت کی اس لیے ضرورت ہوتی ہے کیونکہ باپ ہیٹھ اس کا ضمان نہیں دے سکتا۔ اس لیے عورت کے لیے بانی کی شادی ہیٹھ فکر کا باعث ہوتی ہے اور وہ یہ اپنا فرض سمجھتی ہیں کہ اسے دوسرا شوہر ملے گا۔

اس کی مثال ہندوستان و پاکستان کے معاشرے سے ملتی ہے کہ یہاں عورتوں سے مسلسل

مطلبہ کیا جاتا ہے کھڑی دکان کے بعد بھی والدین سے وہ یہ لے کر انکس دیتی رہے اور چاروں قس کم
چھپتی رہتی ہیں انہیں وہ بلاے کے وقت تانے دے دیتے رہتے ہیں۔ ہمیں کی اس رسم میں
سے ایک قحط کی نظر و جان حیثیت نہیں رہتی ہے۔ وہ ایک شے میں حلقہ ہے۔ یہ
شادی محبت و امانت کے جانے کا رو رہی ہو کر رہ جاتی ہے۔ اس سے تعلق میں شور و جوی میں ہم
ہمیں پیدا نہیں سولی ہے۔

امرا کے گھروں میں عورت کو کام سے دور رکھا جاتا ہے۔ بعد میں اسی روایت کو مستند بننے سے بھی اختیار کر لیا، وہ بھی اپنی عورتوں سے کام کرانا بے عزتی سمجھتے تھے۔ کام نہ کرنے کی وجہ سے عورت کی معاشرے میں اہمیت کم ہوگئی۔ کیونکہ معاشرے کی ترقی میں اس کا کوئی حصہ ہی نہیں رہا۔ لہذا وہ کام نہ کرنے کی وجہ سے زیادہ سے زیادہ سحر کی ترویج ہوتی چلی گئی اور سحر کے لیے اس کی حیثیت یہ ہوگئی کہ وہ سحر کی سب کو آگے بڑھائے، سحرچہ اور متوسط طبقے کی عورتیں تو گھر کی

جود و قرب میں بند ہو۔ بیسویں صدی کے فلسفے کی غور و فکر کی جانی چاہیے کہ اس دور کی مانتے کے لیے کام کرنا چاہیے۔
تقریباً یہ وہ دور ہے جس سے "عزت" آئی ہوگی۔ بعد کے نچلے طبقے میں "عزت" بھی کسی کی رہی
"عزت" کا مفہوم یہ تھا کہ وہی عزت تو اسے کام پھرنے والا نہیں پڑے میں مخلص

۱۲۷۰ء ہاں اب تک زیادہ شادیوں میں باپ کی مرضی سے ہوتی ہیں، چونکہ عورت کو اپنا اسی سے یہ حریت دی جاتی ہے کہ وہ اپنے گھر کو اس طرح سے نکلیں دے کہ جو مرد کو پسند ہو وہ لہذا یہ عورتیں شادی کے بعد اپنی شخصیت کو ختم کر کے شوہر کی خواہشات میں غرق کر دیتی ہیں، اس لیے یہ کہنے میں ایسا ہی غلط آتا ہے کہ شادی کا مایاب ہے، مگر درحقیقت اکثر شادیاں جس بھری کے نام پر چھیدوں اور ذرا بچوں کے ساتھ خوشی کے ساتھ جاری رہتی ہیں۔ کیونکہ عورت کو یہ یاد رہتا ہے کہ اگر اس کی شادی کا کام ہوگئی تو اس صورت میں وہ خیر محفوظ ہو جائے گی اور اسے پناہ دینے والا کوئی نہیں ہوگا۔ اس سے وہ ہر حال میں اور ہر قیمت پر اپنی شادی کو کامیاب کرنا چاہتی ہے۔

ظاہر ہے کہ شادی کا اعلان اسی وقت مؤثر ہوگا کہ جب مرد و عورت مسابوایۃ طور پر محبت و نفقت کے رشتوں میں منسلک ہوں گے۔

عورت اور تعویذ

ہندوستانی معاشرے میں عورت ہم تعویذ کا شکار رہتی ہے۔ اس لیے جب بھی وہ گھر میں مسائل کا شکار ہوتی ہے تو اس کے مل کے لیے تعویذوں کا سہارا لیتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سائنس کا ادھار نہ چھوڑنا روایات و اقدار پر ہے۔ ان میں عورت خود سے کوئی قیصلہ نہیں لے سکتی اور نہ ہی اس کے فیصلے کی کوئی اہمیت ہوتی ہے۔ اس لیے اگر مرد دوسری شادی کرنا چاہتا ہے تو اس کے پاس کوئی قانونی حربہ نہیں کہ جس کی مدد سے وہ اسے شادی سے روک سکے۔ اس طرح اگر اس کے گھر میں عورت ہوتی ہے یا لڑکا پیدا نہیں ہوتا ہے تو اسے خطرہ ہوتا ہے کہ اس کے ہاتھ جوہر کی وجہ سے یا خاندان کو حادثہ نہ دینے کی وجہ سے گھر میں اس کی عزت نہیں رہے گی۔ اس لیے وہ سماجی رویات اور رواج کے اندر رہتے ہوئے، روحانی طاقت اور توفیق سے مدد کی طلب گار ہوتی ہے اور اس مقصد کے لیے جادو، جھوٹوں سے مدد طلب کرتی ہے۔ یہ کہہ جاتا ہے کہ ایسا کرنے سے عورت اپنی توفیق کو مضبوط کرتی ہے اور اپنی جہالت کا ثبوت دیتی ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ جب اس کے لیے تمام قانونی اور سماجی دروازے بند کر دیے جائیں تو آخر وہ کہاں جائے؟ اس کے لیے بھی ایک راستہ رہ جاتا ہے کہ جس میں وہ سب سے قوت مند نہیں کرتی اور سہارا دے کر بھی نہیں لڑتی۔ وہ اپنے مسائل کا حل بھی ڈھونڈ لیتی ہے۔ مگر تعویذ کا اثر ہوتا وہ بالکل دھوکا ہے اور اگر کامیابی نہ ہوتی ہے، نئی قسمت کا لکھ بکھ کر ہر اذیت کو برداشت کر لیتی ہے۔

احمد رضا خان بریلوی نے اپنی کتاب ”شیخ شہستان رضا“ میں تو شوہر و بیوی کے باہمی تعلقات کی خرابیوں کو مد نظر رکھتے ہوئے تعویذ تجویز کیے ہیں اور ساتھ میں انہوں نے ان خرابیوں کی وجوہات پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ مثلاً نکلی ہوئی شوہر اور بیوی کے ٹھنڈے کی بات کرتے ہیں کہ اس کے پس منظر میں جلدی، عقلی، قرض داری اور دوست و احباب سے اختلاف ہوتا ہے اور

شوہر اپنی ناراضگی یوں پھانتا ہے اس لیے ان کے نزدیک اس کا کوئی تعویذ نہیں ہو سکتا ہے، بلکہ اس کے لیے بیوی کو چاہیے کہ شوہر کو سکون پہنچائے۔

۱۰۔ رتی نہ تھکتا عورت کی یہ ہے کہ عورت وقت بے وقت شوہر سے فرمائش کرتی ہے۔ رات بھر شوہر کی بات نہ کرے اور اس سے بھاگتا ہے یا اسے مکان سے نکالتا ہے۔ اس میں قصور عورت کا ہے فرد کا نہیں۔ اس لیے عورت کے لیے ضروری ہے کہ وہ صبر و تحمل کرے اور شوہر کو ٹھک نہیں کرے۔

تیسری وجہ میں مرد متحرک یا تہ قصور ہوتا ہے، مثلاً عورت بازو دھڑے کرے اور اکڑ کر بیکے میں جا رہے مرد کی خدمت سے انکار کرے، ایسی عورت سارے الزامات شوہر کے سرعام کر دیتی ہے اور کبھی اپنا قصور نہیں مانتی۔ اس لیے ایسے موقعوں پر سوچ سمجھ کر تعویذ کرنا چاہیے اور عورت کو ایسا تعویذ دینا چاہیے کہ جس سے اس کی عادات و اطوار درست ہوں۔

چوتھی وجہ خرابی کی عورت کی تاثر یا حرکات، بدکرداری اور غاشی ہوتی ہے۔ اگر کسی عورت کو شوہر کی محبت کا تعویذ دیا تو وہ عورت گناہ میں اور بے باک ہو جائے گی اور جب شوہر اس کی انہی محبت میں مبتلا ہوگا تو وہ آزادی کے ساتھ سب بکھ کر کرے گی۔ اس لیے کسی عورت کو ایسی عورت کی مدد نہیں کرنی چاہیے۔ اور اس کی مرزا سے بھی ملے گی۔

پانچویں وجہ سے شوہر بیوی کے درمیان تعلقات کی خرابی کا ذمہ دار نہیں ہوتا ہے۔ اس لیے مال کے لیے بڑا مشکل ہوتا ہے کہ وہ کیسے قصور و غفلت کو پا جائے۔ اس لیے مال کے لیے ضروری ہے کہ سے موقع پر وہ ایسا تعویذ دے جو گمراہیوں میں محبت و غلوں کو پیدا کرے۔ کسی عامل کی روحانی قوت اس وقت ٹھٹھکتی جاتی ہے جب وہ غیر شادی شدہ عورت و مرد کے درمیان محبت کے تعویذ دیتا ہے، اگر وہ لوگوں کے درمیان شادی نہ ہو تو اس صورت میں گناہ کا حشر ہوتا ہے۔

۱۱۔ کوئی ایسا ضرورت مند آئے جو کسی طوائف یا فاحشہ عورت سے شادی کرنا چاہے تو اس کے لیے تعویذ ضرور دینا چاہیے کیونکہ اس سے وہ عورت گناہ سے باز رہے گی۔

جب عورت مرد کی شکایت لے کر آئے تو اس پر انہیں طرح سے غور کرنا چاہیے، کیونکہ قدرت نے عورت کو مرد کا تابع بنایا ہے اور اگر وہ مرد سے نفرت کرتی ہے تو اس کی وجوہات پر غور کر کے تعویذ دینا چاہیے۔

اس صورت میں کہ لڑکی کے ماں باپ اس کی بے جا محبت کرتے ہیں یا لڑکی کی ماں و

شندوں کا سلواک اس کے خلاف ہے تو اس صورت میں پوری معلومات کرنے اور تجویز دے۔
گر صورت کی تبادلی اس کی مرضی کے خلاف ہو تو اس میں اس کی اصلاح کے لیے تجویز دے۔
کڑھو تیں، خراب صحبت میں رتی ہیں اور اس کا ان پر گھبراڑ ہو جاتا ہے کہ جس کا ختم کرنا
مشکل ہوتا ہے۔ اس لیے اس پر کڑی نظریں رکھے کہ بچہ کی کاغذی قسم کی صورتوں سے ہے۔
کیونکہ بعض غورگوں کی عادت ہوتی ہے کہ اچھا اور بری باتیں دیکر بولوں کو آہٹیں میں لڑتی ہیں۔
اس لیے اس کو کچھ بھیجے تو نہیں رہتا ہے

صنعتی، معاشرہ اور عورت

کام یہ تھا کہ وہ مرد کے ساتھی کی حیثیت سے نہ لگائی کرے لہذا ایک اچھی نمائندگی جب ہی ہو سکتی تھی کہ جب عورت کو حاصل طور سے کسی تربیت دی جائے۔ لہذا اس مقصد سے لپ "یا" ادب پیدا ہونا شروع ہوا جس میں عورتوں کو ہر مرد کی تربیت کے ساتھ ساتھ ۵۷ء میں ایک کتاب شائع ہوئی جس کا نام تھا "Ladies Lexicon"۔ اس میں عورتوں کو بتایا گیا ہے کہ غلط شراف کے ساتھ میل جول کے سے انہیں کس باتوں پر عمل کرنا چاہیے۔ کیونکہ بدستے ہونے حالات میں اب اس طبقے کے لوگ عورتوں سے زیادہ بلی تو فحش رکھتے ہیں۔

اس کتاب میں سوانی خصوصیات کا تعین کیا گیا ہے اور اس سے ۳۰۰ فقرہ نکال کر کیا ہے کہ وہ پوری کرے کے بعد کوئی عورت خوبصورتی کے معیار پر پوری اترے گی۔ مثلاً ان میں سے چند اہم یہ ہیں بہت صوفی نہ ہو مگر بہت زیادہ دلی بھی نہ ہو، جب سکرانے تو اس میں دیر لگنی درشت ہو۔ اس کے کلمات صریح اور چھوٹے ہوں۔ اس کی جلد ظاہر و باریک ہو کہ جس میں اس کی ہڈیوں کی جھلکتی نظر آئے، اس کی ہر حرکت اور ہر دلی ہو، ہر چھوٹے اور بھگت ہو، جب وہ بوسے تو اس کی گھٹنگ میں شیریں اور طراوت ہو اور اس کی سانسوں میں خوشبو ہو۔

اس کتاب کے علاوہ اس موضوع پر اور دوسری کتابیں شائع ہوئیں کہ جن میں عورت کے جسم کے ہر عضو کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ اسے کہاں سے کہاں ہونا چاہیے مثلاً ۷۷ء میں "Squares of Beauty" اور ۷۰ء میں "Academy of the Graces" نامی کتابوں میں مردوں کی خوبصورتی کے خوش نظر عورتوں کی جسمانی خوبصورتی کا تعین کیا گیا ہے۔ لہذا اس کے مطالعے کو دیکھتے ہوئے عورتیں کوشش کرتی تھیں کہ خود کو ایسے ہی بنالیں۔ اس سلسلے میں دلچسپ بات یہ ہے کہ انگریز عورت کو ایک مثالی عورت کے تحت خوش کیا گیا ہے۔ "Squares of Beauty" میں لکھا ہے کہ "ایک مکمل خوب صورت عورت کے بے ضروری ہے کہ اس کا چہرہ انگریز عورت کا ہو، جسم جرمن کا اور درہائی ویرن والا ہو۔" اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ معاشرے میں عورت کے جسم اس کے خدا خاں اور اس کے اقتدار کو جانچا، پرکھا جاتا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عورتوں میں اپنے جسم کا دوسری عورتوں کے جسم سے مقابلہ شروع ہو گیا اور جو عورت مرد کی خواہشات پر پوری اترتی اس کی معاشرے میں مانگ بڑھ جاتی تھی۔

یہی وجہ تھی کہ عورت کے جسم کی خوب صورتی کا فائدہ اس سے حاصل نہ ہوا اور اس نے غم کیا اور

کسی غریب گھر سے میں بھی خوب صورت ترکی پیدا ہوتی تو اس پر فوراً یہ بھد کر بیٹھتے تھے کہ ان کی لڑکی اپنی خوب صورتی اور کشش کی وجہ سے بچے طبقے سے بلند رہا ہوگی ہے اور اس کا رشتہ کسی اہل دور میر گھرانے میں ہونا چاہیے۔ بعد خوب صورت عورت، امیروں کے گھروں میں آ جاتی تھی اور اس کا رشتہ خود بچے کا مکان اور طبقے سے ٹوٹ جاتا تھا۔

خوب صورت عورت کی یہ قربانی صرف منہنی دور ہی میں نہیں ہوئی، بلکہ جاگیر، زمین و عہد میں بھی اس نے اپنی لڑکیوں اور بیویوں کا ہوشیار کے بچے جنس کیا تاکہ اس لڑکی سے وہاں شا کے قریب ہو سکیں اور اپنے لیے زیادہ سے زیادہ مراعات حاصل کر سکیں۔ لہذا جب عورت کو اپنے مقاصد کے لیے قربان کیا جائے گا تو یقیناً مرد کی یہ خوش فہمی ہوگی کہ وہ اسے حقوق دے کر مسائل و بچہ دے۔ کیونکہ اس صورت میں عورت اپنے مسئلہ اور اپنے استعمال کے خلاف آواز دے گی۔ اس سے یہ عورت کو معاشرے میں اس کے تاثر رکھتے ہیں اور اس کی کوئی آواز نہ دیکھتے نہیں ہونے دینے لگے اس صورت میں عورت صرف جسمی تسکین سے بے راہ جاتی ہے کہ جس کی جسمانی خوب صورتی کو مرد استعمال کرتا ہے۔ لہذا شادی بھی صرف جسمی تعلق کا نام رہ جاتا ہے کہ جس میں عورت پر بندوبست میں جکڑی ہوتی ہے۔

یہ وہ طبقے میں عورت کو بے نیل کا ایک ٹکڑا بنانے کی غرض سے اسے ہر قسم کے کام کاٹنے سے دور رکھا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ اس کے اپنے بچوں کی پرورش میں اس کا کردار صرف یہ ہوتا تھا کہ وہ بچہ پیدا کرنے کے بعد اسے ملازموں کے حوالے کر دیتی تھی۔ کیونکہ بچوں کو وہ وہ پلانا نہ سمجھا جاتا تھا اور بہت سی عورتیں لکڑی والیں کھانسی تھیں کہ جس سے ان کا دودھ خشک ہو جاتا تھا، کڑی لالی کے وقت جو معدہ دیکھا جاتا تھا اس میں یہ شرط ہوتی تھی کہ عورت سے اس قسم کے کام نہیں لیے جائیں گے۔

اس طرح سے عورت کو کام سے علیحدہ کر کے کہ جس سے فرار کو معاشرے میں عزت و احترام ملتا ہے۔ یہ خونی نظریوں میں کم تر کردہ اور اس کو یہ حساس ہو گیا کہ اس کی خود کا مقصد صرف مردانہ مشرتابی ہے اور اس۔

لہذا خواتین میں عورت نے جس تنظیموں میں حصہ لیا، ان کا تعلق بھی مردوں کی خوشی اور لطف سے ہے۔ مثلاً گانا گانا، رقص کرنا اور موسیقی کے مختلف سازوں کو بجانا، اس بے عورتوں کو اس

شخصیت میں ڈھارس دیا کہ جو لوگوں کو محفوظ کرتی ہو۔

ذرا عورت کا بھی استہساں عشقیہ اور میں اٹھا، کو کمر وخت کر کے لیے ہو کہ اس کی خوب
صورتی کو پیداوار کی چیزوں سے مل کر۔ لاگوں کے جذبات کو بھڑکا کے انہیں زیادہ سے زیادہ
دعا کیا۔

مستحق نہیں ہے۔ اس پر سے عمل میں عورت ہیئت صورت کے لیے بچپن کی تلاش میں ہے

(دب) میں مضمون کاڑھا ہوا مصدر میں کتاب سے لیا گیا ہے۔

Ma e Fan asies پوٹیل پرنس سیم ۸۹۷

ہندوستانی معاشرہ و عورت

ہندوستان میں انگریزوں کی آمد سے قبل ہندوستان معاشرہ - ذرا بات - تھا - اس کے
دار - مضمون - چلے گئے - اس کی قسم کی بات - اس میں یہ نہیں تھا کہ اندرونی اور
بیرون طور پر ان کوئی پہنچ نہیں تھی - اس میں سمجھتے - عورت کا مقام معاشرے میں
مستحق تھا - مسلمان معاشرے میں جتنے اہل عورت - ان کی چار - اس میں قدر تھا اور جتنی
مردوں میں عورت - معروف دیا - یہ متحدہ متحدہ نہیں - حریفی عورت کی محدود دنیا تھی - جہاں وہ
نہ ملے - خود سر دل - رنجوں کے ساتھ زندگی - رہتی تھی - اس کی - چھپا ہوا بھی محدود
تھیں - جو - تقریباً - اس کے میل جس کے علاوہ اس کے سے کہنے کو کچھ نہیں تھا - جب
کہ اس کے برعکس حریفی سے باہر مرد کی دنیا میں ہی سما جی - دو معاشرتی سرگرمیوں سے تھی -

ہندو معاشرے میں عورت کی حیثیت اور بھی پس ماندہ تھی اور وہ اس حد تک مرد کے تابع اور
اس کے زیر اثر تھی کہ عورت کے لیے رقاوری - پاک باری - اور نیکی کی عداوت میں تھی -
ہندوستان کے معاشرے میں اس وقت برداشت تھی - جب انگریز - سستہ - ملک
تھے - جس ہوتے چلے گئے - والی ہندوستان کو پہلے پہلے گلستوں کا سامنا کرنا پڑا - انگریزی اقتدار
نے کے بعد جب ہندوستانی تعلیم کے لیے نوجوان طبقہ بھرنا شروع ہوا تو انہوں نے ان
جہات - نئے - کوشش کی کہ جن کی وجہ سے اہل مغرب نے ہندوستان میں برتری حاصل کی
- ہندوستان معاشرہ اس کے - مٹنے - گلست - خورہ ہوا - پتا چھپا - اس کی وجوہات - محفوظ
تھیں - اس پر - ہندو - طبقے - ان حقیقت کو - ہندو سماج کی پس ماندگی کا سب سے

۴۔ بلا ضرورت عورت کے یہ منع ہے کہ غیر مرد کو دیکھے، اکثر عورتوں کو بھانسنے مانگنے کی عادت ہوتی ہے۔ بڑی ناہنجیات بات ہے۔^{۱۱}

میں ہیں، جس سے مراد تمہارے لیے اس خط میں جو جو مشق ہو رہی ہے۔

نظریات و خیالات، انکار کے خلاف لڑیں کہ جس میں عورت کو کم تر نہ پایا گیا ہے۔ ہمیں اس عام محاذوں پر صرف الامثال، اقوال اور شیعہ کو دیکھنا، گمانہ سے عورت کی تعمیر دینی سے اس لیے خصوصیت سے یہ ثقافتی جنگ ضروری ہے کیونکہ اس سے ہر سبک ستری پر عورت سے ہر دین میں ایک نیا نقشہ کے لیے نقش ہو جاتا ہے۔

اکثر عورتوں کی جدوجہد کو روکنے کی خاطر یہ کہا جاتا ہے کہ انہیں ان کے متعلقہ امور سے الگ کر دیے گئے ہیں اس لیے اب حریہ حقوق کی کوئی ضرورت ہی نہیں۔ اس قسم کی سیاست سے ہی عورت یہ احساس کیا جاتا ہے کہ مردوں نے انہیں حقوق دے دیے ہیں مگر عورت کو یہ حقوق حاصل کرنے کے لیے جدوجہد کی ضرورت ہے۔ یہ ایک خوش آہنگ بات ہے لیکن اس سے عورتوں کو یہ بات غور و فکر میں ہے اور انہیں اب کسی عورت کی سربراہی کی ضرورت نہیں بلکہ اس سے اس بات اس بات کا ثبوت ہے کہ ان کی تحریک ہر ایک کے بڑھ رہی ہے۔

حوالہ جات

- ۱۔ "مستند" خطی دستخط "احسان" (لاہور) ۳۶۶-۳۶۷
- ۲۔ ایضاً، حصہ دوم، ص ۳۳۲
- ۳۔ ایضاً، حصہ اول، ص ۳۶۶
- ۴۔ ایضاً، حصہ دوم، ص ۶۵-۶۶
- ۵۔ ایضاً، ص ۳۶۶-۳۶۷
- ۶۔ تفصیل کے لیے دیکھیے "اکثر ممالک میں عورتوں کا معاشرہ اور ان کی زندگی" (لاہور ۱۹۹۳ء)
- ۷۔ سلطان احمد علی شاہ قادیانی، "اصلاحی مباحث" ۱، ص ۱۹۹ (۱۹۹۶ء) ص ۶
- ۸۔ ایضاً، ص ۷۲
- ۹۔ ایضاً، خراج الامیران، ص ۲۲-۲۳
- ۱۰۔ ایضاً، عظیم الدین، ص ۳۶
- ۱۱۔ ایضاً، ص ۳۶
- ۱۲۔ ایضاً، ص ۵۳

عورت اور سیاست

سیاست میں شریک ہونے کا مطلب یہ تھا کہ اقتدار میں شرکت کی جائے اور اقتدار میں آنے کا مطلب تھا کہ طاقت و قوت کے ذرائع پر کنٹرول کیا جائے۔ اس لیے مردوں کی بالادستی کو برقرار رکھنے کے لیے ضروری تھا کہ عورت کو سیاست سے بالکل دور رکھا جائے۔ اس مقصد کے لیے انہوں نے عورت کی پس ماندگی اور ذہنی کمتری کو دلیل بنایا کہ چونکہ عورت جسمانی اور ذہنی طور پر مرد کی ہم سر نہیں ہے اس لیے وہ اس قابل نہیں ہے کہ وہ حکومت کر سکے۔ کیونکہ سیاست و حکومت کے معاملے بڑے پیچیدہ اور الجھے ہوتے ہیں اس لیے معاملات سے عہدہ بردار ہونے کے لیے جس قابلیت، صلاحیت اور دور رس کی ضرورت ہے اور جس اس سے محروم ہوتی ہیں۔

اگرچہ تاریخ میں ایسی مثالیں ضرور ہیں کہ جن میں عورتیں سربراہی و حکومت بھی ہوئیں، جنگیں بھی لڑیں، سفارتی فرمائش بھی سر انجام دی۔ معاملے بھی کیے اور اندرونی و بیرونی ملکی مسائل کو حل کرنے میں مدد بھی دی۔ مگر یہ ساری مثالیں ایسی ہیں کہ جن سے انفرادی عورتوں کی بے مثال صلاحیتوں کے بارے میں تو معلوم ہوتا ہے مگر اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا ہے کہ عورتوں کا مجموعی اثر یہ ساری حربہ بڑھا ہوا اور ان کی صلاحیتوں کو جسم کر دیا گیا ہو۔ اگر کسی دور میں عورت کی سربراہی تسلیم بھی کیا گیا تو یہ مجبوری کی حالت میں ہوا ہے۔

آخر عورت کو کیوں ایسی تربیت نہیں دی گئی کہ وہ سیاسی امور میں مہارت حاصل کر سکتی؟ اگر اسے بھی حرم میں قید کر کے نہ رکھا جاتا اور لڑکوں کی طرح سے تعلیم و تربیت دی جاتی تو وہ یقیناً حکومت و اقتدار کی اہل ہوتی، اور جہاں ایسا ہوا وہاں عورت کے لیے جسمانی و ذہنی برتری قائم کی۔

مثلاً ہندوستان کی تاریخ میں رفیعہ سلطان کی مثال موجود ہے کہ جس کی تربیت اٹلی نے فرانس کی مانند کی، اور وہ اس کے لڑکوں سے زیادہ، غینہ و احمیت ثابت ہوئی۔ مگر امید یہ کہ ہرگز ہمارے میں ان صلاحیتوں کو دیکھنا ہی نہیں چاہتے تھے کہ جس پر سربوں کی اداوارا دی گئی۔ مثلاً گھڑ سواری، تیرنہ، شمشیر بازی و سیاہی ادب میں مہارت۔ "طبقات ناصرہ" کا مصنف منہاج سراج اس کے بارے میں لکھتا ہے کہ

کس لیے رشید سلطان کی مخالفت ہوئی اور ترکی مرء سے کس کے بارحق ہیں یہوں کو اس سے
مقابلے میں تختہ شکن کرانا بہت سمجھدہ ہو جاوے گا۔ عیوہوں کو حقوں کی منت ہی علت کی ہے کہ
جسوں سے بارشماہوں اور حکمرانوں پر سچے اثر و رسوخ و استعمال کیا۔ اور جہاں کچھ بڑی
باہدایت عورت تھی اور اس سے محل سلطنت کے استقامت و دربار کی شان و شوکت بڑھتا۔ میں
حسد یہاں تک کہ اس کے ہاوجود اس کے خلاف سازشیں اور بیشمار دانیائیں ہوئیں اور جب یہت ظالم نے
بعادیت کر کے اسے اور جہاں گر کو قید کر لیا۔ اگرچہ اس نے اپنی فہانت سے اس باخداوت کا خاتمہ نہ
کیا۔ ہم زندگی میں بھی جو مر پتی تھی سے مشورے دیتے ہیں یا اس سے نہیں دیتے ہیں
انہیں ”زن مرچہ“ کہہ کر مذاق ارایا جاتا ہے۔ اس وجہ سے خاص طور سے دوشماہوں کے لیے کسی
عورت کے پرورش ہونا اس کی کمزوری کی علامت تھا اور اس کو ایسا نہیں سمجھا جاتا تھا۔

نظام الملک طوی میاست ۲۷۷ کے مسقف نے شہر دوس اور حکمرانوں کی تربیت کے لیے جو مدت نہ پورا کی تھی اسے ایک انجم ہوا بتا سکی ہے کہ وہ عورتوں کے اثر سے دور ہیں۔ دلچسپ بات ۔۔۔ تاہم کے ۱۴۴۲ء میں جس کا عنوان ”تلمذ بین اور ان کی ریاضۃ الدیارات“ ہے اس میں اسے خاص طور سے ایسی حکایات دی ہیں کہ جن میں عورتوں کے اثر و رسوخ کی وجہ سے مسخرہ رہی گئی ہے۔ مثلاً وہ ہر جہت کرتے ہوئے کہتا ہے کہ

اس کے بعد نظام الملک نے مختلف حکایات اور احادیث کے دریلے چنی دلیل کو ثابت کیا۔
 - مثلاً اس کے مشہور انشور بر حجر سے یہ روایت کی ہے کہ "مہاسنی خاندان کو اس لیے
 راجہ مانا جانے اور باتوں کے علاوہ غوروں پر بھی بھروسہ کیا۔"
 ایک اور حکایت میں جہی خاندان کے پادشاہ مامون سے یہ روایت ہے کہ
 "۶۸۰ھ میں یہ راجہ نہیں دیتا کہ وہ مملکت اور نواح اور شاعی خزانے وغیرہ

کے بارے میں عورتوں سے مشورہ سے دران کی رائے طلب کرے۔ عورتوں کو یہ حق بالکل حاصل نہیں کہ وہ مملکت کے امور میں مداخلت کریں۔ دراصل بادشاہ کے لیے وہی طریقہ صحیح ہوگا جو چھپے بادشاہوں کا مسئلہ رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اللہ جلال قلوب عظمیٰ المستسلین یعنی ہم نے مردوں کو عورتوں پر مگر مقرر کیا ہے۔ اب اگر عورتیں خود ہی اپنے کو سنبھال سکتیں تو یہ حکم کیوں دیا جاتا اور مردوں کی فضیلت و برتری کیوں تسلیم کی جاتی۔

اور ایک حکایت میں خسر و کاریوں دیا گیا ہے کہ

”ہر بادشاہ جس کی خواہش یہ ہو کہ اس کا خاندان برباد نہ ہو اور اس کا ملک تباہ نہ ہو اور اس کا وقار اور شکوہ قائم رہے اسے چاہیے کہ وہ عورتوں کو کامل نہ دے۔ عورتوں کو صرف اس بات کی اجازت ہونی چاہیے کہ وہ اپنے ملازمین اور مائتوں کے بارے میں بات چیت کر سکیں۔“

ہمارے ہاں اب تک عہدہ کی اکثریت اس پر حقیق ہے کہ عورتوں کو یہ امت میں نہیں آتا چاہے اور نہ انہیں سربراہی مملکت بنانا چاہیے۔ اگرچہ موجودہ زمانہ جمہوری زمانہ ہے اور اب عورتیں تعلیم و تربیت کے لحاظ سے مردوں سے پیچھے نہیں ہیں۔ مگر اس کے باوجود یورپ کے ممالک میں بھی عورتیں سابقہ روایات میں اس قدر جکڑی ہوئی ہیں کہ انہیں حکومت میں ان کے تاحیب کے لحاظ سے حصہ نہیں مل رہا ہے۔

اسلامی حکوں میں جمہوری حقوق کے سلسلے میں عورتوں کی شرکت پر برابر مزاحمت کی جارہی ہے۔ ووٹ کا حق، سب سے پہلا حق ہے۔ اس کے بعد کہ کیا وہ انتخابات میں حصہ لے سکتی ہے؟ تو اس پر مختلف قسم کی شرائط عائد کی جاتی ہیں۔ مثلاً اسے اپنے ولی یا نگراں سے اجازت لینا ضروری ہے یا وہ ۴۰ سال کی عمر میں انتخاب میں حصہ لے سکتی ہے وغیرہ۔ لیکن عورتوں کی تحریک کے دباؤ کی وجہ سے انہیں پارلیمنٹ میں چند مخصوص نشستیں دے دی گئی ہیں۔ اس طرح سے ملازمتوں میں ان کے ساتھ مخالفت نہ رہی اختیار کیا جاتا ہے۔ ان اقدامات کے پس منظر میں مرد کا یہ راز خوف ہے کہ عورت اقتدار میں شریک ہوگئی تو اس صورت میں اس کی برتری کا خاتمہ ہو جائے گا۔ اس لیے وہ

”تجدوشت تک لم یکن، سماجی، ثقافتی، سماجی اور سیاسی روایات کا سہارا لے کر عورت کو سیاست سے دور رکھنا چاہتا ہے۔“

حوالہ جات

- ۱۔ مسلمان سربراہ، قانون تاحیب، روزنامہ ”جہاد“، ۱۹۶۷ء، ص ۸۹۷-۸۹۸
- ۲۔ نظام الملک، طووس، ص ۵۷، (اردو ترجمہ) (کراچی) ص ۲۵۲-۲۵۳
- ۳۔ ”سیاست نامہ“ ص ۲۰۶
- ۴۔ ابن ابی عمیر، ص ۲۳-۲۴
- ۵۔ ایضاً، ص ۲۱۱

سب سے بڑا ثبوت حاصل ہے جس کا ظہار یہاں سے شائع ہونے والے قریب ۱۹۶۰ء
کتابوں سے ہے۔ اس سے سب سے زیادہ قوی تاثر اس کا ہے کہ اس وقتوں کی
تاریخیں غلط طور پر لکھی گئی ہیں۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ تاریخ نگاروں نے کچھ غلط باتیں کہی ہیں۔ لیکن یہ تاریخ
سے نکل کر ایک نیا شکل اختیار کر چکی ہے۔ اس میں سب سے بڑا اثر یہ ہے کہ تاریخ
سے جس کی تحقیق کا جواب سب سے پہلے اس سے ملتا ہے کہ وہ کیا ہے۔

دیکھا جائے تو عورتوں کی تاریخ کی ترقی سیاست کے پس منظر میں ہوئی۔ اس لیے اس کا
سیاست سے گہرا اور روکیا ہوا تعلق ہے۔ اس لیے ہماری تاریخ سب سے بڑی ہوتی ہے۔ یہ
۱۹۶۰ء کی دہائی کی بات ہے کہ جب عورتوں کی تاریخ میں انقلابی تبدیلی کی گئی تو تاریخ کے
مذہب سے لے کر عورتوں کی تاریخ کا مطالعہ شروع کیا۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ تاریخ نگاروں کے ہاتھ
تاریخ کی بات کی کہ عورتوں کی تاریخ میں انقلابی تبدیلی ہوئی۔

عورتوں کے مسائل اور عورتوں کی تاریخ میں حاشیہ نہیں بلکہ اہم کردار ادا کرتی رہی ہیں۔
عورتوں کے مسائل اور عورتوں کی تاریخ میں انقلابی تبدیلی ہوئی۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ تاریخ نگاروں کے ہاتھ
تاریخ کی بات کی کہ عورتوں کی تاریخ میں انقلابی تبدیلی ہوئی۔

مہر چھوئے اور جس طرح سے مختلف نقطہ نظر کا پیش کیا گیا اس سے عورتوں کی تاریخ اور
اس موضوع کو ایک تسلیم شدہ مضمون کی حیثیت دے دی۔ ۱۹۸۰ء کی دہائی میں جب اس کے لیے
جنس (Gender) کا لفظ استعمال ہوا تو اس نے عورتوں کی تاریخ کو تحقیق کا سیاست سے باہر
آجائی کٹر کر دیا۔ کیونکہ جنس کی اصطلاح ایک جانبدار اصطلاح ہے کہ جس کا تعلق کسی نظر سے
تیار ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ تاریخ نگاروں کی تحقیق کی گئی ہے کہ کس طرح عورتوں سے
تاریخ کی بات کی کہ عورتوں کی تاریخ میں انقلابی تبدیلی ہوئی۔

عورتوں کی تاریخ کی ترقی سیاست کے پس منظر میں ہوئی۔ اس لیے اس کا
سیاست سے گہرا اور روکیا ہوا تعلق ہے۔ اس لیے ہماری تاریخ سب سے بڑی ہوتی ہے۔ یہ
۱۹۶۰ء کی دہائی کی بات ہے کہ جب عورتوں کی تاریخ میں انقلابی تبدیلی کی گئی تو تاریخ کے
مذہب سے لے کر عورتوں کی تاریخ کا مطالعہ شروع کیا۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ تاریخ نگاروں کے ہاتھ
تاریخ کی بات کی کہ عورتوں کی تاریخ میں انقلابی تبدیلی ہوئی۔

یہ ہے کہ اس موضوع کی صحت منظر میں سے نکال دیا گیا۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ تاریخ نگاروں کے ہاتھ
تاریخ کی بات کی کہ عورتوں کی تاریخ میں انقلابی تبدیلی ہوئی۔

حقیقت اس پر کافی بحث کی جا سکتی ہے۔ اس میں یہ پس منظر سے نکال دیا گیا۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ تاریخ نگاروں کے ہاتھ
تاریخ کی بات کی کہ عورتوں کی تاریخ میں انقلابی تبدیلی ہوئی۔

۱۔ سے عہدہ کر کے دیکھنا گمراہی کا باعث ہوگا کیونکہ تحریک نسواں نے عورتوں کی تاریخ کو وہاں رکھی ہے اس کے نتیجے میں علم سیاست میں بھی ایک نیا اعلان ہو رہا ہے۔

پروفیشنل ازم بمقابلہ سیاست

ہست ماہ تھو میں خلیفہ مسیح ۹۶۰ ق م میں بھری۔ یہ ملک طرف تو سور
رہا جس سے شاہ ۹۶۱ ق م میں حاسبہ میں پر مد کے مابین حیسو کا کئی شہر
جس کے تے عہدوں کو تھو یہ طور پر مد تھو یہ عہد میں آئے کے موقوف فراہم کئے

میں نے اس حرکت کے خدو خال دیکھے اور اس کے معاہدے کے تصحیح کرنے میں "صداقت" کاغزوہ
نیت ہا حال رہا۔ اس چورے عمل میں تحریک بنسوال نے عورتوں میں ایک اجتماعی شناخت کو پیدا
کیا۔ جس کو ابھارا کردہ معاشرے میں اپنی ثانوی حیثیت کو ختم کرنے کی جدوجہد کریں،
یہ ہے۔ یہ عورتیں دیکھ کر وہ سچ سے اپنی ظہیر حاضری، سیدہ سخی اور بے طاقتی کو اس
سے بہت آگے لے گئیں۔ معاشرے میں مساوی اور بڑے اور ان کا اپنے جسم اور زندگی پر

۱۹۶۰ء کی دہائی میں کالج، اسکول اور مختلف تحقیقی اداروں نے عورتوں کو بی۔ ایچ ڈی کے لیے دلچسپی دینا شروع کر دیے۔ اس پر ظہار دینے لگے تھے جو بے پیک مصطفیٰ نے کہا کہ "اس کا مطلب یہ ہو گا کہ وہ اداروں کو بحیثیت استاد اور محقق اس کی تیسرا کا احساں ہو"۔ بی۔ ایچ ڈی جس عورتوں نے ان اداروں میں اپنی پیشرو رائے کے ذریعہ انہیں اس کے بے پیک مصطفیٰ کی تعلیم

رواقی، احترام پیشوں میں عورتوں کے ساتھ نصب وادارہ کیا۔ لیکن ان کا یہ بھی کہنا تھا کہ اگر جو تیس اعلیٰ تعلیم حاصل کر سکی ہیں تو اس سے بڑی بہت سی کامیابیوں کا شوق ہے۔ سوچتی ہیں کہ ان پیشوں میں آنے کی وجہ سے عورتوں کا سماجی و معاشی بے پردہ حاکم اب تک ان میں یا تو صرف مرد ہوتے تھے یا پھر ان کا کام عورتوں کے جن کو آسانی سے نظر انداز کر دیا جاتا تھا۔

ایک مرتبہ جب عورتوں کے لیے یہ موقع صبح ہو گئے، تو تحریک نسوان سے عورتوں کے لیے اور رہا، و حقوق کا مطالبہ شروع کر دیا اور معاشرے میں موجود غیر مساوی اور بے ہند کی پر احتجاج بھی کیا جاسکے گا۔ وہ عورتیں کہ جو تعلیمی شعبے میں تھیں انہوں نے مسلسل اس پر آواز بلند کی کہ ان کے خلاف تعصبات جاری ہیں اور مردوں کے برابر ڈگری دیکھنے سے بازو ان سے ساتھ سرین کی جاتی ہے۔ اس لیے تعلیمی شعبے میں عورتوں نے اپنی تہنیتیں بنائیں تاکہ وہ جہد کر سکیں، امت موٹیں۔ ان کے مطالبات میں مختلف تنظیموں میں نمائندگی، سیمیناں اور میٹنگوں میں شرکت تھی۔ عورتوں میں فرق ختم کرنا، اور تقرری، ترقی، اور عدالت ملازمت میں یکساں قوانین کا اطلاق شامل تھا۔ معاشرے میں عورتوں کی جو اجتماعی شناخت بھری تھی، اس میں مؤرخ عورتیں بھی برابر کی شریک تھیں، اور اس لحاظ سے پیشہ ورانہ طور پر بطور مؤرخ ان سے رجحانات و نظریات عام مؤرخوں سے مختلف تھے۔ چونکہ ان میں ان کے خیالات پر اثر نہ رہا تھا۔ ان پر یہ الزام بھی لگایا گیا کہ انہوں نے ان انجمنوں کو بھی سیاسی بنا دیا کہ جواب تک غیر سیاسی کردار رکھتی تھیں۔

۱۹۲۹ء میں وہ عورتیں کہ جو تاریخ کے شعبہ سے تعلق رکھتی تھیں انہوں نے یہ مطالبہ کیا کہ اگر لیکن ہسٹریکل ایسوسی ایشن میں اس کی اہمیت کو تسلیم کیا جائے۔ پروفیشنل رٹمز اور سیاست کے مسائل تصادم کوئی غیر ذہنی نہیں ہے، بلکہ یہ پروفیشنل رٹمز کے اندر بطورداشت پایا جاتا ہے، کیونکہ ایک پروفیشنل یہ سمجھتا ہے کہ اس نے جو حد تک حاصل کیا ہے، اس کی ہوا اس کی اعلیٰ تعلیم و محنت سے۔ بیسویں صدی کے ایک پیشہ ور مؤرخ کے لیے تاریخ کسی کا دماغ ہے جو کہ غیر متعصبانہ درجہ چارہ اور ہے۔ پیشہ نوکوں کے لیے چارہ دانہ دہنی دہنی ایک طرف جھکاؤ کا حامل تو اسے اس کا حصول اس شخص سے ہے جس کے جو ماضی سمجھوں کو اختیار کرے کی اہمیت رکھتا ہو۔ اس سلسلے میں وہ تعلیم و تربیت سے درمید حاصل رہا ہے۔ اس لیے انہوں نے مؤرخوں کی انجمنوں کے جوڑ کی بنیادیں، ان کے لیے تاریخ کے علم اور پھر اس علم کی حفاظت اور

اسے فروغ دینا لازمی سمجھتا ہے۔ لہذا پیشہ ورانہ کے لیے علم حاصل کرنا اور علم کی حفاظت اور مسیبت میں۔ ان کی پیشہ ورانہ پوزیشن متعین کرنے میں مدد کرتے ہیں اور ان کی جہاد پر یہ مسیبت جیت جیتے۔ یہ پیشہ سناج کیا ہے، ارکان اس کا حال ہے؟

اس میں پیشہ ورانہ انجمنوں کو یہ اختیار مل جاتا ہے کہ وہ فیصلہ کریں کہ کون اس شعبہ میں شامل ہے؟ اس کے لیے اس کو اس نے کا اختیار ہے؟ اور اس کو کونیت سے بخود رکھا جائے؟ اس پر امریکین ہسٹریکل ایسوسی ایشن میں کالوں، میٹنگوں، ایکسٹولک عقیدے کے پوزیشن، اور وہ فرد کہ جس کا تعلق شرفیہ سے نہیں تھا، نہیں بے تور کن بنایا گیا۔ اس کی سرگرمی بہت کم رہی۔ اگرچہ اس روئے کے خلاف مسلسل احتجاج کیا جاتا رہا اور آواز اٹھاتی جاتی رہی۔ اس میں اس وقت ۱۹۶۹ء سے پہلے دوسری تھی۔ جب بھی ہسٹریکل ایسوسی ایشن کی میٹنگ ہوتی تھی، احتجاج کرتے۔ لے مؤرخ مطالبہ کرتے تھے کہ اس میٹنگوں میں نسل جنس، و عمر کے اعتبار سے کسی اکثریت سے مدد کا ہے۔ اس کی دلیل یہ ہوتی تھی کہ انہوں نے اپنی حق بطور پیشہ ور مؤرخ رکھ رکھے ہیں اور اس کا حق یہ سب سے پہلے ہے، لیکن ۱۹۶۹ء کے بعد سے انہوں نے اس میں ورک کرنا اور سیاسی فیصلوں پر لپٹے حقوق کے لیے جہاد شروع کر دیا۔ اس کی دہائی میں وہ انہوں نے اپنی جہاد کو سر کی کی قومی تحریک نسوان سے جھڑپا اور اس موقف کو اختیار کیا کہ پیشہ ورانہ میں پہلے مطالبات اور تحریکیں کو قومی سطح پر لے کر آئیں اور قومی مسائل کے ساتھ ان کا تعلق کر کے جہاد کریں۔

مؤرخ عورتوں کی ویسے یہ بھی ہے کہ مؤرخوں کا پیشہ کسی جنس سے وابستہ نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق پیشہ ورانہ حیثیت سے ہے چاہے اس میں مرد ہوں یا عورتیں ہوں، یا سفید فام اور کاہے۔ اس لیے اس کا تعلیمی یہ مقصد نہیں کہ وہ پیشہ کے معیار کو تسلیم کریں، اس لیے وہ تعلیم و تربیت کو نہ لیں۔ یہ (مرد و عورتوں سے خودوں سے متعلق تحقیق پر عدالت مقرر کئے ہیں) لیکن یہ ہے کہ عورتوں کا یہاں میں تحریک نسوان کی مقصدیت کو، لیکن چاہتا ہے لیکن مقصدیت کا ہونا صرف اس کی مسکن و ہمارے مؤرخوں کی تحقیق میں بھی موجود ہوتا ہے۔ لیکن اس کی یہ مقصدیت کی بنیادیں، تاریخ لکھتے ہیں رتی ہے اور یہی وہ مقصد کے لیے وقت کو چھپاتی یا طرہ و رتی ہیں۔ لیکن یہی ان مؤرخ عورتوں کا یہ موقف ہے کہ علم اور مضمون کی جہاد کو

نظر انداز کر دیا جائے کیونکہ یہ دونوں چیزیں مؤرخ کے پیش کے لیے انتہائی اہم ہیں۔ وہ اکیڈمک جماعت اور اس کے ممبروں کو پوری طرح سے تسلیم کرتے ہوئے ان پر عمل درآمد کرتی ہیں۔ روایتی قریبوں میں، ان، بیانی، سلوب، وضاحت کی شدت اور حقیقت کے پیمانوں کو پورا کرتی ہیں، کیونکہ انہیں معلوم ہے کہ اس کے بغیر ان کی گریہ کو لامیت نہیں ملے گی۔^{۱۷} اس لیے وہ اس پورے عمل میں خود کو پیشہ ور مؤرخ کی حیثیت سے تسلیم کراتی ہیں۔ لیکن اس سلسلے میں اس میں وہ زبان اور قومی و عوامیاد کو پیش کر رہی ہیں۔ اور جہاں تک علم ان درائج سے پیدا ہوتا ہے۔ اس بات کوئی شک نہیں کہ وہ اس پر متباض کرتی ہیں کہ مائزخوں کی ہیئت کو گھس گھس میں دھب کی نیا پریشہ ویکس ہوتا ہے۔

درحقیقت، مزخ عورتیں اس بات کی قائل ہیں کہ پرفیشنل نرم اور سیاست میں کوئی علیحدگی نہیں ہے بلکہ یہ ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں۔ وہ ہر ماہر سوال کو انھماقی ہیں کہ مؤرخوں کی انجمنوں میں جب "معیار" اور "پیشہ ورانہ مہارت" کی بات کی جاتی ہے تو "خبر" کو کیا نوس سے ناپا جائے کیونکہ یہ سب صاف پیچیدہ ہیں۔ وہ یہ سوال بھی کرتی ہیں کہ "خبر" کون ہیں جس کی یہ قیادت کی کر رہے ہیں؟ وہ کون سے مفکر، نظریہ ہیں۔ اس دور غارتہ کر رہا گیا ہے یا وہ دیا گیا ہے؟ اور اگر وہ کون ہے کہ جو یہ فیصلہ کرے کہ کچھ تاریخ کیا ہے یا یہ کہ "تاریخ" حق کیا ہے؟

تاریخ بمقابلہ نظریہ

تاریخ کے مضمون میں "عورتوں کی تاریخ" کے اضافے کی وجہ سے تحریر کنندہوں کو یہ موقع ملا کہ اس کی مدد سے معاشرے میں بے حقوق کی جدوجہد کرے۔ تاریخ کے موضوع کو جو وسعت مل رہی ہے اور اس میں جتنے نئے خیالات ڈالنا شروع ہوئے ہیں۔ اس سے بچہ چار فائدہ اٹھائے لیکن یہ کوئی س قدر ناگوار اور بے اثر نہیں ہے۔ کیونکہ عورتوں کی تاریخ و تاریخ دونوں میں شامل ناہمہ ایک نقاب کی قدیم تھا، ہمارے پیچھے سے مستحکم شدہ تاریخ کی روایت کے لیے ایک چشمہ محبت تھا۔ اکھارا ان اعلان ناموں سے ہوتا ہے کہ جہاں ۱۹۷۱ء کی دہائی میں اس تحریک کی حامیوں نے جاری کیے۔ لیکن اس کا سب سے عمدہ اکھارہ ۱۹۷۱ء میں درج ہوا وقت کی کتاب A Room of

One's Own میں ہوتا ہے۔ یہ وقت تھا کہ جب برطانیہ میں عورتوں کو ووٹ کا حق مل چکا تھا اس تناظر میں اس نے عورتوں کی تاریخ کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ اس کا احساس تھا کہ موجودہ "نئی" تاریخ میں، بیان میں اس لیے ضروری ہے کہ اس تاریخ کو دوبارہ سے لکھا جائے۔ یہ ضروریہ سر حقیقی دریا کی تاریخ ہے۔ "اور چونکہ یہ مکمل، اور نقشہ ہے، لہذا اس کا اس میں رستے ہونے اس سے غصہ کہ ایک نئی تاریخ کی ابتدا کی جائے چاہے اس کو کوئی بھی نام دیا جائے مگر اس میں عورتوں کی وضع اور پورے ماحول کی ہوتی چاہیے۔"

دولت کی پیشکش کہ ایک شافی تاریخ ہو، اس نے موجودہ تاریخ نویس سے ایک سمجھوتہ کی کوشش کی مگر حقیقت یہ ہو نہیں سکا۔ کچھ تاریخ نویس کے سلسلہ میں عورتوں کی یہ کوشش رہی کہ وہ موجودہ تاریخ میں اضافے بھی کریں، اور جہاں ضرورت ہو اس کو دوبارہ سے لکھ کر تشکیل فرمائی کریں۔ اس طرح انہوں نے تاریخ کے خاکہ کو پھیرا، اور پس اس ضمن میں کہیں عورتیں پیدا ہونے لگیں، اور کہیں انہوں نے اپنی اہمیت کو تسلیم کراتے ہوئے اپنے وجود کو لازمی ثابت کیا۔

دولت کے "معانی" سے نظریہ سے رید کا تجربہ، جن میں آتا ہے جس کی وجہ سے مجھے یہ بات ہوئی کہ اس عورتوں کی تاریخ و تاریخ سے درمیانی تعلق کی وضاحت کر سکوں۔ رید اسے مغرب کے ماحولیات کو توڑنے والے ان چند محرکات (Markers) کی طرف اشارہ کیا ہے کہ جنہوں نے اس کو رتور رکھنے کے لیے حراست لگی کی، اور اس کی ٹوٹ پھوٹ میں حصہ بھی لیا۔ وہ محرکات کہ جو اس عمل میں رکاوٹیں ڈال رہے ہیں، وہ بے مقاصد میں کسی ایک نتیجے پر نہیں پہنچے ہیں، اس لیے ان کے ہاں صفا جسم کے رجحانات تھے۔ اگر دیکھا جائے تو عورتوں کی تاریخ میں "معانی" تاریخ کا تصور بھی اس غیر قصہ ان لائیت کو ظاہر کرتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ جو کچھ ہم سے موجود ہے، یا تو اس میں اضافہ کیا جائے، یا اس کو ہٹا جائے، اور اس حد کو پورا کیا جائے۔ اس کا مطلب یہ ہے، تو کم، یا زیادہ ہو گیا ہے۔ لہذا اس سے یہ مطلب نکال گیا ہے کہ کسی حد تک یہ اضافہ یا ہٹاؤ "انسانی" نہیں ہے، بلکہ تصور ہے اور حقیقت ہونے کا شہید ہونے کا۔ اس حقیقت سے کہ رید ان دور کی کو پورا کرنے کا شیوہ پیش کرتا ہے۔ یہ اس کو

الفاظ ہیں۔ "موضوع اور اہم" خطرناک اور ناقابل نجات۔

یہاں پر میں یہ کہنا چاہوں گی کہ "اضافی تاریخ" کے بارے میں متضاد نظریات کو اہم میں رکھتے ہوئے اہم عورتوں کی تاریخ کے بارے میں تجزیہ کرتے ہیں تو ایک طرف اس میں اہم ہے تو دوسری طرف ایک توانا سیاسی قوت کہ جس میں تنقید کرنے اور چیلنج کرنے کا جذبہ ہے جو کہ مستحکم شدہ تاریخ نویسی کو ہلکا کر رکھ دیتا ہے۔ لیکن یہ بھی صحیح ہے کہ یہ شدت تاریخ کے موضوعات کو اہم آہنگ کرتی ہے اور مذہبی مسائل کے حل کے لیے کوئی راستہ نکالتی ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ سٹوٹ پھوٹ کے عمل کو رد کئے کے لیے روایتی مؤرخ پوری طرح سے حرمت کرتے ہیں، جبکہ مؤرخ عورتیں خواہ اہل کرتی ہیں کہ اس کو کسی طرح سے حل کر دیا جائے۔ لیکن ہوتا یہ ہے کہ وہ بار بار غصوں سے متس کوٹنے معنی دیتے جاتے ہیں اور ان کی تاویل غلطی کی جاتی ہے۔ یہ وہ تجزیاتی فریہ ہو رہی ہے کہ جس میں ہم "معلم اور طاقت" کے درمیان جو ایک مقابلہ ہے اس کو ہ آسانی سمجھتے ہیں۔

عورتوں کی تاریخ لکھتے ہوئے ہوتا یہ ہے کہ ان موضوعات کو حتمی دیا جاتا ہے کہ جس میں عورتوں کا کردار نمایاں ہوتا ہے اور تاریخی عمل ان کے گرد گھومتا ہے۔ اس بات کو بھی تسلیم کر لیا جاتا ہے کہ تمام آفاقی انسانی معاملات میں عورت کی اہمیت ہے، لہذا ماضی کی تشکیل کرتے ہوئے عورت کے نام اور اس کے عمل کو شامل کیا جائے۔ جب اہم مغرب میں تاریخ نویسی کے رجحانات دیکھتے ہیں تو ان میں تاریخ کا مرکزی کردار "سفید آدمی" ہوتا ہے تو اس مرحلہ پر عورتوں کی تاریخ کو اس پیچیدگی سے بھی غفلت ہوتا ہے۔ "تاریخ نویسی میں یہ پیچیدگی اس لیے ہوتی ہے کہ اس قسم کے "فرق" کو باقاعدہ پیدا کیا جاتا ہے، بھول مارٹھا مینو (Martha Minow) یہ فرق "مادری" زبان کی ساخت سے پیدا ہوتا ہے کہ جس کے ذریعہ (عورت و مرد) کے درمیان فرق کو مستحکم کیا جاتا ہے اور اس کو فطری ثابت کیا جاتا ہے۔

مرد اور عورت کے درمیان فرق کو بطور نیٹکری بنا کر پیش کیا جاتا ہے اس کو بطور سماجی تعلق کے جنم دیکھا جاتا ہے۔ اس لیے جب تاریخ میں عورتوں کی اہمیت کو اچاگر کرنے کی کوشش کی جاتی ہے تو یہ تاریخ کے قائم شدہ مفہوم کی نفی کرتی ہے اور اس تاریخی حوالے سے نگرانی ہے کہ نہیں روایتی تاریخ نے اہم بنا رکھا ہے اس طرح اسے ان تاریخی حیثیات اور مفروضات سے لھٹا پڑتا ہے کہ جنہیں سچا درجہ تسلیم کر لیا گیا ہے۔ اس لیے عورتوں کی تاریخ کو نہ صرف روایتی تاریخ نویسی

کی ساخت اور تشکیل بدلتا ہوتا ہے بلکہ پورے تاریخی عمل کا تجزیہ کرنا ہوتا ہے اور سب تک تاریخ پر جو رد و عمل کی بات ہے اس سے اسے بھی توڑنا پڑتا ہے۔ اس سفر کرنے کو بھی چیلنج کرنا ہوتا ہے کہ بہت دن تاریخ میں عمل اور جامع ہے بلکہ یہ مکمل اور جامع نہیں ہے اور اس میں بہت سے حلقہ ہیں کہ سمجھنا پڑتا ہے ضروری ہے۔

یہ سہارا عورتیں اس سوالات کو مکمل طور سے نہیں اٹھاتی ہیں، لیکن اس سہارا کے ذریعہ تحقیق میں ہوتے ہیں۔ مثلاً یہ سوال کہ آئندہ کون سی رجحانات ہیں کہ جن کی وجہ سے عورتیں کا کردار تاریخ میں اس قدر نمایاں اور روشن ہو کر آتا ہے، مگر عورتیں آخر کیوں تاریخ میں پردہ تشکیل دی جاتی ہیں؟ وہ کون ہے کہ جس کے نقطہ نظر سے مرد تاریخی عمل کا مرکز بن جاتا ہے؟ اگر عورتوں کے نقطہ نظر سے تاریخ کو دیکھا جائے تو اس کی کیا تصویر بنتی ہے؟ اگر عورت اور مرد تاریخ لکھتے ہیں تو ان کا اپنے موضوع سے کیا تعلق اور رشتہ ہوتا ہے؟

میشل دورتو (Michel de Certeau) نے مسئلہ کو اس طرح سے دیکھا ہے۔

"تاریخ نویسی اس لحاظ سے دوسرے علم میں یا علوم سے مختلف ہے کہ اس میں موضوع اور اس موضوع کو تشکیل دینے والا نفس لوگوں سے سامنے جواہد ہو جاتے ہیں۔ یا تو یہ تسلیم کر لیا جاتا ہے کہ مصنف کا موضوع سے معروضی تعلق ہے، یا خود مصنف اس بات کو مان لیتا ہے کہ اس کا موضوع سے گہرا تعلق ہے اور وہ اس سے جدا ہوا ہے۔ لیکن اس بحث میں ضروری ہے کہ یہ دیکھا جائے کہ ایک موضوع کا دوسرے موضوع سے کیا تعلق ہے یعنی مرد کا عورت سے، سفید آدمی کا کالے آدمی سے۔ کیا ان موضوعات کا تجزیہ کرتے ہوئے مصنف متصفانہ انداز اختیار کرتا ہے اور ماضی تشکیل کو روئے کار لاتا ہے؟ مثلاً جنس کے فرق کو مد نظر رکھتے ہوئے کیا یہ کہا جاسکتا ہے کہ عورت، مرد کے مقابلہ میں ایک بالکل علی حلقہ تاریخ کی تشکیل کرتی ہے؟ میں اس سوال کا تو کوئی جواب نہیں دیتا چاہتی لیکن میں یہ ضرور کہوں گی کہ اگر ان سوالوں کے جوابات تلاش کئے جائیں تو یہ بہت سے حقائق کی نفی کریں گے۔"

یہاں پر سرتو کا کہنا نہیں کہ عورتوں کی تاریخ لکھنے کا حق صرف عورتوں کو ہے بلکہ یہ کہ عورتوں کی تاریخ ناقص معلومات اور چیلنجوں کو سمیٹنے ہوئے ہے کہ جن کی بنیاد پر تاریخ کی تشکیل ہوتی ہے۔ یہ سائنس میں چند کوالیٹے اور پانچ طرح سے بھی سیکس کیا ہے۔
مرتبہ دین، عورتوں کی زندگی میں یہ تاریخ کسی غیر مستند رجحان کو بھی ظاہر کرتا ہے۔
ان قسم کے ارد گرد سے سائنس کے جس کو پریشان کرتے ہیں، انہیں وہ کی چیزوں میں بھی دیکھا جاسکتا ہے۔ روایتی سائنس ہمیشہ اس بات کی پیش کرتی ہے کہ وہ ہمیشہ ہی وقت سے اس مضمون کی حفاظت میں اپنی ماحول کو استعمال کریں، اس سلسلہ میں وہ تاریخ کی نظریہ کے درمیان مخالفت کو پیدا کرتے ہیں۔ نظریہ کا مضمون اس کے نزدیک ایک ایسا علم ہے کہ جو معلومات کے تحت تاریخ کو سن کر رہا ہے۔ اس سے نظریہ سے تحت مضمون کو کو دیکھا جاتا ہے جس سے اس کی روشنی اور تاریخ ختم ہو جاتی ہے۔ اس سے جب یہ "نظریاتی" کا شکل لگتے ہیں تو ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ دیکھا جاتا ہے کہ جو نظریہ کے متعلق روایات اور قواعد کو چیلنج کرے وہ دراصل نہ تسلیم شدہ سچائی کو کر کے کی کوشش ہے۔^{۲۵}

جب سے عورتوں نے تاریخ کو کسی میں جنس کے کردار کو داخل کیا ہے، اس وقت سے مرد سائنس کی جانب سے ان پر پورے دباؤ اور اضافات شروع ہو گئے ہیں کہ وہ تاریخ کا غلط استعمال کرے تاریخ کو سن کر رہی ہیں۔^{۲۶} وہ جب بھی مردوں کے عورتوں کے بارے میں تعصبات اور بات میں "مردوں کے نظریہ" کو سامنے لاتے ہیں، تو اس پر جلد باری کی جاتی ہے۔ ان کا یہ کہہ کر مذمتی اڑایا جاتا ہے کہ وہ ایک "نظریہ" کے تحت یہ سب سمجھ کر رہی ہیں۔^{۲۷}

تاریخ کے مضمون کے اندر مردوں اور عورتوں کے دو بیان طور جنس کرتے ہیں۔ اس میں عورتوں پر نظریہ کا اثر اہم کر انہیں مستحق کرنا، ان کی تاریخ کو کسی کی صلاحیت کو چیلنج کرنا اور مؤرخ کی حیثیت سے ان کو کمتر بنانے کی کوشش ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سی مؤرخ عورتیں اس مسائل سے غبردار آواز ہونے کے بجائے مردانہ سے لڑ رہی ہیں، وہ اس میں بھری سمجھتی ہیں کہ عورتوں سے متعلق موضوعات کو بطور "مضافہ" پیش کریں اور تاریخ میں ان کے بارے میں جو نقصان دہ فرقے ہیں انہیں چیلنج کریں۔ (یہ سوتوں پر ہم تاجوں کو، نئے رستے ٹھہریں جاتی ہیں، اور قانون کو چیلنج کر کے اس کی خرابیوں کو ظاہر کر کے سے بچنا چاہتی ہیں کہ عورتوں

کی تاریخ کا مضمون بدلتا رہتا رہا۔ جیسے کہ عدالت مظاہرہ میں تو اس تحت ۱۵ سب سے سب نے ۱۹۷۵ء میں ایک پندرہویں کے خطاب کے لیے سائنس سے ۱۰۰ سالہ تاریخ کے سلسلہ میں ایک کوشش کو یہ کی گئی کہ اسے تاریک سائنس کے ساتھ ساتھ سائنس میں بڑھایا جائے۔ لیکن ان طرف رہی جس سے عورتوں کی تاریخ سائنس کے لیے ایک نئی صورت تھی، انہیں جس کی وجہ سے اس مطالعہ کو عورتوں کی تاریخ کے بارے میں ایک نئی صورت حال سے کیے متعلقہ کا اس وقت مزید ثابت ہو گیا۔ جب سائنس تاریخ کا مظاہرہ کر کے اس میں مختلف ماحول پر اس کی توجہ دلائی۔ ظاہر ہے کہ اس میں عورتیں بھی شامل ہیں۔

نئی سائنس تاریخ کی بنیاد اور ارتقاء سے عورتوں کی تاریخ کو ایک اہم درجہ پر ہم پہنچا جس کی مبنی نہیں نے ماضی میں اپنے کردار کو تشکیل دینا شروع کیا۔ اس نئے موضوع کے تحقق اور نئی روایات نے ان کی اہمیت کو قائم کرنے میں مدد کی اور عورتوں کے بارے میں مطالعے کو علمی سطح پر تسلیم کر لیا گیا۔ اس نئے شعبہ نے نہ صرف عورتوں کو موضوع فراہم کیے بلکہ ان کے ساتھ ساتھ مرد اور اساتذہ اور قلمروں پر بھی بحیثیت گروہوں کے کام ہونا شروع ہو رہے ہیں۔ تاریخ کی حصہ بن گئے اس تحقیق سے عورتوں نے ماضی کے مشاہدات اور تجربات کی روشنی میں اپنے آپ کو دیکھا۔ انہوں نے عورتوں کی سرگرمیوں کو سیاسی جماعتوں اور قلمروں کے ساتھ ساتھ خاندان اور گھر کے اندر تلاش کیا۔ کچھ مؤرخ عورتوں سے عورتوں اور مردوں کے کاموں اور مرکز میں سماج کی ممانعت کو دھوڑا۔ کچھ نے عورتوں کو پیچھے اور مختلف ثابت کیا۔ ان دونوں نقطہ ہائے نظر سے عورت بہر حال ایک پیچھے ذات اور شخصیت کے راپ میں گھری۔^{۲۸} سائنس مؤرخوں نے (جن میں، میں بھی شامل ہوں) عورتوں کی، ماضی پر مبنی ترقی کے اثرات پر تحقیق کی۔
۲۰۰۰ میں ہم لفظ "عورت" سے سائنس میں جو تبدیلیاں آئیں ہیں، اس پر زیادہ بحث نہیں کرتے۔ ان میں اس پر اس کے سائنس میں بدلتی جاتی ہے۔ مثلاً صنعتی دور کے ابتدائی عورتوں کو ۱۹۰۰ میں "مردانہ" سے پیچھے ہونے لگیں۔^{۲۹}

یہ مضمون میں عورتوں کی ثقافت پر دور دیکھا کہ عورتوں کی ماضی سرگرمیوں اور تاریخی کے ساتھ میں پیدا ہوا۔ اس میں عورتوں کو ایک ہی رنگ میں دیکھا گیا ہے۔ لیکن اس کی وجہ سے

حشر عام، ابراهیم بن ابراهیم، حسن بن حسن

حسب تائید میں دو حصوں پر تقسیم ہوئے۔ اس کے لیے عید (Festier) نے
 صنفی اصطلاح کے تحت یہ تین طرح کی سواریاں بیان کی ہیں (صنفی) (صنفی) (صنفی)
 پر متعلق ہیں۔ (صنفی) (صنفی) (صنفی) (صنفی) (صنفی) (صنفی) (صنفی) (صنفی) (صنفی) (صنفی)
 کے درجہ میں اس میں اس قسم کی سواریاں ہیں جو کہ (صنفی) (صنفی) (صنفی) (صنفی) (صنفی) (صنفی) (صنفی) (صنفی) (صنفی) (صنفی)
 ہے۔ (صنفی) (صنفی) (صنفی) (صنفی) (صنفی) (صنفی) (صنفی) (صنفی) (صنفی) (صنفی)
 نقطہ نظر سے مختلف نظر ہے کہ (صنفی) (صنفی) (صنفی) (صنفی) (صنفی) (صنفی) (صنفی) (صنفی) (صنفی) (صنفی)
 درمیان جو تعلقات ہیں، اس کا تعین کیا جائے اور اس میں تبدیلی کے عمل کا کارہ کیا جائے۔

جینڈ کی کلنگری کے تحت لاس اور ناولوں جنسوں کے درمیان سو رت ہے کہ کاغذ یہ یا گیا۔ لیکن اس کے بعد اس اصطلاح کو وسیع کر کے اس فرق میں جو حقائق میں ان کو ملتا تھا۔ ۱۹۸۰ء کی دہائی میں ”عورت“ کی کلنگری میں جو مختلف جنس تھیں۔ پر جب بحث ہوئی تو اس سے بہت زیادہ فحش مواد نکلتا تھا۔ ایک شخصیت ہے اردو اس کی جس ہے بلکہ یہ ثابت ہو سکتا ہے کہ اس کی شہرت میں اور کئی تہیں ہیں۔ اس لیے عورت کی اصطلاح کو اس کی دوسری شناختوں سے علیحدہ کر کے استعمال نہیں کیا جاسکتا ہے۔ مثلاً عورت فحش کے اعتبار سے سفید یا کالی ہوتی ہے، بلکہ ہر قسم کے اعتبار سے بیہوش یا بیدار ہوتی ہے، یا مرد و عورت ہوتی ہے، یا صریح سے لے کر کئی قسموں میں دیکھا جاسکتا ہے لہذا عورت کی کوئی واحد شناخت نہیں ہوتی ہے۔^{۲۶}

جب عورتوں کے درمیان اس تقسیم کو دیکھا گیا تو اس کے ساتھ ہی یہ بھی اور ساری مسائل پر ت کے نقطہ ہائے نظر میں بھی فرق نظر آیا۔ لیکن اس اختلاف کی وجہ سے عورتوں کی تاریخ کو وہی میں کئی موضوعات آئے کہ جن پر عورتوں کی وہ بھی فرق تھا۔ اس فرق نے اس کی جہد و جدوجہد اور تاریخ کوہم کشش اور دلچسپ بنانے میں مدد دی۔ لیکن اس کے ساتھ ہی یہ سوال بھی پیدا ہوا کہ اگر نرسلہ، تہہ، وراثت، پائے کے فرق کی وجہ سے عورتوں کی شناخت بھی نتیجہ ہو جائے ہے تو پھر وہ کون سا طریقہ ہوگا اور کون سا اصول و مشہور ہوگا کہ جس پر قوم عورتوں کو متحد کیا جائے؟ کیا عورتوں کی کوئی متحدہ شناخت ہو سکتی ہے اور کیا اس کی کوئی ایک تاریخ ہو سکتی ہے کہ جسے لکھا جائے؟

کچھ مخرب سوال کی کارکنوں نے اس بات کی کوشش ضرور کی کہ یہ معاملات کا جواب ادب

— 22 —

مذکورہ کے لئے میں نے اسے یہاں سے سرنگی سوسائٹی کو بیات کے
تعمیر کے لئے کہا ہے۔ اور وہی شہر میں کون سی عورتیں تھیں جن میں
میں نے یہ عہد وثبات کرنے کے لئے قریب سوسوں کے ہیں (Post)
اپنے عقیدے کے استقامت پر اور ہمارے بارے میں جو تصدیقیں
میں نے حاصل کیں، مثلاً لفظ کے معنی مختلف حالات میں بدلتے رہتے ہیں اور محسوس کی
تعمیر کے لئے اس کے نتیجے میں، بھرتی ہے۔ اگر مرد کے نقطہ نظر سے عورت کا درجہ کمتر
ہو گا تو اس کا یہ حقوق حاصل کرے گا۔ یہ عورتی ہے کہ وہ اپنے معاشرے میں مرد
کے برابر قائم رہے۔ یہی صورت حال جو کہ اس کی تاریخ میں ہے کہ اپنی تاریخ لکھنے سے
اسے یہ ضرورت ہے کہ اس کی تاریخ وراثت میں سے عورتوں کی گشتی کو رکھے اور پھر
اس کے لئے اس کی تاریخی طریقہ کار کو چیلنج کرے۔

سائنسی علوم کے نقطہ نظر کے برعکس ہم جس میں شفاعت، رخصت کے تجربات کو تسلیم کر رہا تھا
 ۱۔ سائنسیت میں شفاعت کو ضابطہ بنا دیا جاتا ہے اور تجربات کو وسعت دے کر ایک ہی
 تجربہ میں ڈھال دیا جاتا ہے جس کی وجہ سے اس کا تعلق محض عورتوں سے نہیں رہ جاتا ہے۔ جگہ
 ۲۔ نو پیداہم عناصر ہیں کہ جو سائنسی تقریب کو حائل بناتے ہیں۔ بس عورت کی بشری
 سائنسیت اور تجربہ ہی بے میر ختم کر دیا جائے گا تو کھریا سائنس پران کو تھک کر گولے کے بیسے
 ۳۔ سائنسیت ایک وجہ سے تجربہ سائنس، جو عین کہ جو بس سائنسیت کی غائب ہیں وہ اس کو
 ۴۔ سائنسیت سے متعلق ایک ایسا نقطہ نظر تحقیق میں کہ جو بے محسوس، در الجھائے والا ہے۔ اس کے مقابلہ
 ۵۔ سائنس پر مشن کو سائنس کی وجہ سے سوال کے حوالے سے سائنسیت میں کہہ سکتے ہیں کہ سائنسیت سائنسیت

۱۔ یہ ہے کہ تعمیر بنی ہو "سیاست" کے رہنما قوتی مانتی سے ان پر چڑھ کر
تعمیر بنی ہو "سیاست" کے رہنما قوتی مانتی سے ان پر چڑھ کر
تعمیر بنی ہو "سیاست" کے رہنما قوتی مانتی سے ان پر چڑھ کر

۱۰۔ درجہ خمس : بدقیوں و ذکر کنندہ اور یا مستکثرہ جہاں رہتی ہیں وہ بغیر ہجرت کے

References

- 1 "Women in the Beehive. A seminar with Jacques Derrida," transcript of the Pembroke Center for Teaching and Research Seminar with Derrida, in *Subjects/Objects*, Spring 1984.
- 2 Cited in Karen Winkler, "Women's Studies After Debates over Limits: New Directions for Research," *Chronicle of Higher Education*, September 28, 1988, p. A6.
- 3 Nancy Fraser and Linda Nicholson, "Social Criticism and Philosophy" unpublished ms. 1987 p.29.
- 4 Roland Barthes, *Mythologies* (Paris 1957), p. 230. See also Michel Foucault, *The History of Sexuality, Vol. I: An Introduction* (New York, 1960), pp 92-102.
- 5 Gayatri Chakravorty Spivak, "The Politics of Interpretation", in W. J. T. Mitchell, *The Politics of Interpretation*, Chicago, 1983 pp 347-66. Mary Poovey, *Uneven Developments: The Ideological Work of Gender in mid-Victorian England* (Chicago, 1988). See also 'ideology' in the glossary of Louis A. Thussler and Elinore Bulihar, *Reading Capital*, tr. Ben Brewster (London, 1979), p. 314.
- 6 Jo Freeman, "Women on the Move: Roots of Revolt." In Alice S. Rossi and Ann Calderwood (eds.), *Academic Women on the Move* (New York, 1973), pp. 1-37. See also the essays by Alice Rossi and Kay Klotzburger in this same volume.
- 7 Sara Evans, *Persuasive Politics* (New York, 1979).
- 8 Quotation from Barnaby Keeney, President of Brown University, *Pembroke Academic* 27:4 (October 1962), p. 1.
- 9 Keeney (ibid. pp. 8-9). Jessica Bernard, *Academic Women* (Cleveland 1966). Lucie Addison Pollard, *Women on the Move: Facts and Historical Survey and the present Academic Status*, (New York, 1977). See especially p. 10.
- 10 Peter Novick, *That Noble Dream: The "Objectivity Question" and*

ان روایتی صورتوں کے ذریعے میں شامل ہو جاتی ہیں کہ جو جس سماجیات اور عورتوں کی تاریخ کو بے مضامین کی ضد سمجھتے ہیں۔ لیکن چاہے وہ کس سماجیات والے ہوں یا اس کے مخالف، دونوں تجربہ کے تصور کو سمجھ سکتے ہیں، لیکن ان کی بنیاد پر دو دینی ردہ سسک کھڑے کر کے کہ حق میں بھی نہیں ہیں۔ جمہوری اور سیاست کی جب مخالفت کی جاتی ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ تجربہ کا تنقیدی جائزہ دینے کے لئے اس کو بھی بنایا جائے اور اس کے ذریعے سے سیاست اور تاریخ کے بے ہوش (Narration) کی تاریخ کی جائے۔^{۱۱}

لیکن جہاں تک تجربہ کے تصور کا سوال ہے تو اس بات کی ضرورت ہے کہ تاریخی پس منظر میں اس کا تنقیدی جائزہ دیا جائے۔ میر یہ خیال ہے کہ ۱۹۸۰ء کی دہائی میں عورتوں کی تحریک کے جو مختلف رجحانات رہے ہیں ان کی بنا پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ تجربہ کو کسی ایک دائرہ میں مقید نہ کرنا یہ اس کی شریعت کرنا ناممکن ہے، کیونکہ اس کی کئی جہتیں ہیں جن کو سمجھنا اور جن کا تجربہ کرنا ضروری ہے۔ لیکن یہ سوال کیا جاسکتا ہے کہ کیا کوئی ایسا تجربہ ہے کہ جو طبقہ اور نسل سے بالاتر ہو کر وجود میں آیا ہو؟ اور نسل اور ذات سے متعلق عورتوں کے تجربات کیا ہیں؟ عورتوں کی ضروریات یا ان کے مفادات کو کس طرح سے بیان کیا جائے گا؟ اور ہم یہ کس طرح سے بیان کریں گے کہ موجودہ حالات میں کیا تجربہ ہے اور ماضی میں کیا تھا؟ اس سوال کا جواب اس وقت تک نہیں دیا جاسکے گا کہ جب تک جمہوری کے ذریعہ عدالتی جائے اور نہ دیکھا جائے کہ عورتوں کی تاریخ اور روایتی تاریخ کے درمیان کیا رشتہ ہے؟ اس بے جمہوری اور سیاست کے مابین تعلق پیدا کرنے کی اشد ضرورت ہے۔ اور اس بات کی بھی ضرورت ہے کہ سماجی علوم کے ماہرین کے درمیان جو بحث و مباحثہ ہو رہا ہے وہ ان کا ایک حصہ نہیں۔ لیکن عورتوں کی تاریخ کو کسی بھی صورت میں سیاست سے جدا کر کے نہیں دیکھا جاسکتا ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ قہدار اور اس سے متعلق اداروں، مختلف تنظیمات، اداروں طریقہ کار کو سمجھ جائے کہ جو معاشرے میں ان کو پیدا کرتا ہے۔ اس لئے میں کہتی ہوں کہ عورتوں کی تاریخ نقی طور پر سیاسی ہے اور اس سیاسی عمل کو سمجھنے کے لئے ہمیں جمہوری کی بھی ضرورت ہے۔

and Lawrence Crossberg, *Marxism and the Interpretation of Culture* (Urbana, 1988), pp. 271-313

- 23 Michel de Certeau, "History Science and Fiction" in *Heterologues Discourse on the Other* (Minneapolis, 1986), p. 217-18
- 24 Mary Hawkesworth, "Knewer, Knowing, Known..." *Spring* (1989), pp. 533-557
- 25 Martha Minow, "Justice Engendered," *Harvard Law Review* (November 1987), p. 67
- 26 Norman Hampson, "The Big Stone" *London Review of Books* (2 January-3 February 1982), p. 8 Richard Cobb, "The Discreet Charm of the Bourgeoisie" *New York Review of Books* (April 11 1985), pp. 21-7 Robert Finlay, "The Refashioning of Martin Guerre", and Natalie Zemon Davis, "On the Lame", both in the *American Historical Review* 93 3 (June 1988), pp. 553-71, and 572-603, respectively
- 27 Elizabeth Weed, *Introduction to Coming to Terms: Feminism Theory, Politics* (New York, 1988), p. 6 (of typed transcript).
- 28 Testimony of Joan Scott to University of North Carolina-Chapel Hill Curriculum Committee, May, 1975, cited in Pamela Dean, *Women on the Hill: A History of Women at the University of North Carolina* (Chapel Hill, 1987), p. 23
- 29 See Joan W. Scott, "Women's History: The Modern Period", *Past and Present* 101 (1983) pp. 141-157
- 30 For histories of women's work, see Louise A. Tilly and Joan W. Scott, *Women, Work and Family* (New York, 1978-1987); Alice Kessler-Harris, *Out to Work: A History of Wage-Earning Women in the United States* (New York, 1982); Thomas Dublin, *Women at Work: The Transformation of Work and Community in Lowell, Massachusetts 1826-60* (New York, 1979); Sally Alexander, "Women's Work in Nineteenth-Century London: A Study of the Year 1829-50", in Juliet Mitchell and Ann Oakley, (eds.), *The*

the American Historical profession (New York, 1988)

- On the issue of access see Mary G. Dietz, "Context is All: feminism and Theories of Citizenship" Jill K. Conway, "Pounds Pedagogy and Gender," and Joan W. Scott, "History and Difference" all in *Decadence* (Fall 1987), pp. 1-24, 137-52, 93-118, respectively
- Howard, Beale, "The Professional Historian: His Theory and His Practice," *Pacific Historical Review* 22 (August 1991), p. 235
- Historians and the Sears Case, *Texas Law Review*, 66 7 (October 1988), pp. 301-31 On the Sears case also, Ruth Milkman, "Women's History and the Sears Case," *Feminist Studies* 2 (Summer 1986), pp. 375-406 and Joan W. Scott, "The Sears Case," in Scott, *Gender and the Politics of History* (New York, 1988), pp. 67-77
- 14 Eileen Soneckawa and Elizabeth A. Smith, *Journal of Social History* Fall 1988, pp. 49-61
 - 15 Schrieme Dev. *The Problems of Women's History*, Urbana, 1976
 - 16 *Womens Worker and the industrial Revolution 1750-1850* (London, 1930) and Mary Beard, *On Understanding Women* (New York, 1931)
 - 17 Virginia Woolf, *A Room of One's Own* (New York, 1929), p. 47
 - 18 Jacques Derrida, *Positions* (Chicago 1981), p. 43 See also Derrida, *Of Grammatology* tr. Gayatri Chakravorty Spivak (Baltimore, 1974), pp. 141-64
 - 19 Barbara Johnson, introduction to her translation of Derrida's *Disseminations*, (Chicago, 1981), p. xxi
 - 20 Martha Minow, "The Supreme Court 1986 Term: Foreword Justice Engendered," *Harvard Law Review* 100, no. 1 (November 1987) pp. 9-95
 - 21 *Ibid.* p. 13
 - 22 On the question of history's representations see, Gayatri Chakravorty Spivak, "Can the Subaltern Speak?" in Gary Nelson

O. Matthews and Jane Sherron de Hart, *ERA and the Politics of Cultural Conflict: North Carolina* (New York, 1989)

- 38 See Judith Butler, *Gender Trouble: Feminism and the Subversion of Identity* (New York, 1989).
- 39 Judith Newton, "History as Usual? Feminism and the New Historicism", *Cultural Critique*, 9 (1988), p.93
- 40 Joan Scott, "A Reply to Critics", *International Labour and Working Class History* 32 (Fall 1987), pp. 39-45
- 41 The irony is sinking. Historians of women who have accepted the discipline's notions of universality (adding the universal category "women" to the existing one of "men") and of mastery (assuming that historians can achieve disinterested or complete knowledge of the past) nonetheless characterize their position as "political" — a term that indicates their subversive relationship to the discipline. I think this is yet another example of the logic of the supplement: women's historians (whatever their epistemological position) are neither fully in nor fully out of the profession of history
- 42 See John Toews, "Intellectual History after the Linguistic Turn: The Autonomy of Meaning and the Irreducibility of Experience" *American Historical Review*, 92, (October 1987), pp. 879-907
- 43 David Halpern, "Intellectual History and the Return of Literature" David Hollinger, "The Return of the Prodigal: The Persistence of Historical Knowing", and Alan Megill, "Recounting the Past: Description, Explanation, and Narrative in Historiography" pp. 581-609, 610-21 and 627-53, respectively

(نقد و بررسی "عصر زنان")

Rights and Wrongs of Women (London, 1976); Patricia A. Cooper, *Once a Cigar Maker: Men, Women, and Work Culture in American Cigar Factories, 1900-1919* (Urbana, 1987).

- 3 Linda Kerber, "Separate Spheres, Female Worlds, Woman's Place: The Rhetoric of Women's History", *Journal of American History* 75:1 (June 1988), pp. 9-39.
- 32 Denise Riley, *"Am I that name?" Feminism and the Category of "women" in History* (London and Minneapolis, 1988).
- 33 See, for example, the symposium on "Women's Culture" and *Politics in Feminist Studies*, 6 (1980), pp.26-64.
- 34 Susan Hardy Aiken, et al., "Trying Transformations: Curriculum Integration and the Problem of Resistance", *Sigas*, 12:2 (Winter 1987), pp.215-73. See also in the same issue Margaret L. Anderson, "Changing the Curriculum in Higher Education", pp.222-254.
- 35 See, Orlin Robbin, "The Traffic in Women: Notes on the Political Economy of Sex", in Rayne R. Ruster, (ed.), *Towards an Anthropology of Women* (New York, 1975). See also, Joan W. Scott, "Gender: A Useful Category of Historical Analysis" *American Historical Review*, 91:5 (December 1986) and Donna Haraway, "Geschlecht, Gender, Genre: Sexualpolitical essences Writen", in *Viele One überall? Feminismus in Bewegung* (Festschrift für Fagge Haug), ed. Kornelia Hauser (Berlin, 1987), pp.22-41.
- 36 Teresa de Lauretis, "Feminist Hauser Studies/Critical Studies: Issues, Terms, and Contexts" Cherie Moraga, "From a Long Line of Voudidas: Chicana and Feminism: "Biddy Martin and Chandra Talpade Mohanty "Feminist Politics: What's Home Got to Do with it?", all in Teresa de Lauretis (ed.), *Feminist Studies/Critical Studies* (Bloomington, 1986), pp. 1-19, 173-190, 191-212, respectively
- 37 See Mary Frances Barry, *Why ERA Failed* (Bloomington, 1986) Jane Mansbridge, *Why We Lost the ERA* (Chicago, 1986) Donald

تاریخ کا کرپ۔ عورتیں اس سے غائب ہیں۔ اگر آج بھی اس تاریخ کو عورتوں کے متعلق سے کچھ جانتا ہے تو یہ سب عجیب نظر آتی ہے کہ ان مؤرخوں نے کس طرح سے عورتوں کو نظر انداز کیا۔ عورتوں کو اس میں کوئی سبب اس سے نظر نہیں آیا کہ وہ اس کے عادی تھے کہ عورتوں میں صرف مردوں کو دیکھا جائے کیونکہ ساری مذہب اور رواج کے ہر شعبہ پر عورتوں کا تسلط تھا۔ عورتوں کو اس سارے عمل میں ہر پردہ تکلیف دیا گیا تھا۔

قدیم مصر کی تاریخ کو جب تشکیل دیا جاتا ہے تو اس کے متن ماخذ ہیں کہ جن سے مواد حاصل کیا جاتا ہے آثار قدیمہ تحریری متن، اور مصوری جیسے۔

مصر کے مطابق آثار قدیمہ میں جب ایک بار کھدائی ہو جاتی ہے اور اس کے نتائج کو ریکارڈ کیا جاتا ہے، تو کھدائی کی جنس جلد ہی ختم ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ ایک بار جب وہ غائب ہونا شروع ہو جاتی ہے تو پھر انہیں دوبارہ سے حاصل نہیں کیا جاسکتا ہے۔ بلکہ اس میں یہ ہوا کہ کھدائی کر کے زمین سے چیزیں کو نکالیں مگر اور پھر آثار کو اس طرح سے چھوڑ دیا جس سے اس کی تمام شہادتیں مٹ گئیں۔ عام طور سے ماہرین آثار قدیمہ کا رویہ یہ ہے کہ کھدائی کے ذریعہ کھدات، تعمیرات اور جڑی بڑی عمارتیں تلاش کی جائیں کیونکہ ان کی دریافتوں میں پورا غلطی ہوتا ہے۔ وہ اس پر توجہ نہیں دیتے کہ عام لوگوں کی آبادیاں دیہات کی جائیں۔ یہی وجہ ہے کہ مصر میں عام لوگوں کی آبادیاں دریافت نہیں ہوئیں وہ اسی طرح سے زمین میں مدفون ہیں۔ اس رویہ کی وجہ سے عام لوگوں کے گھر سامنے نہیں آتے، اس وجہ سے عورت بھی عورتوں سے غائب رہتی۔ کیونکہ عورت کا تعلق گھر اور دوزخ کی زندگی سے ہوتا ہے۔ جب اس کو نظر انداز کر دیا گیا تو عورت بھی اس سے تھوڑا فراموش کر دی گئی۔

قدیم مصر کی تاریخ کا دوسرا اہم ماخذ تحریری مخطوطات ہیں کہ جو بہت کم ہے۔ اس وقت مشکل سے یہ مخطوطات مل سکتی ہیں۔ یہ بھی آثار کی سی کا حصہ تھے۔ عورتیں کم لکھی ہوئی ہوتی تھیں۔ سب تک ایسی کوئی تحریر نہیں ملی کہ جو کسی عورت کی لکھی ہوئی ہو۔ اس وجہ سے جو بھی تحریری مخطوطات ملے وہ مردوں کا لکھا ہوا ہے۔ یہ عورتوں کی کوئی لکھی ہوئی نہیں کرتا ہے۔

مصری ماہرین نے ہاں ہاں اور اہم کی مرضی کو مخطوطات کے تحت تلاش کرتے تھے۔ اس لیے مردوں کی تلاش کی کرتے ہیں۔ عورتیں یہاں بھی مرد کی خواہش کے تابع ہیں۔

قدیم مصر کی عورت

موجودہ زمانے میں تحریک نسوان کے زیر اثر اس بات کی کوشش ہو رہی ہے کہ عورتوں کے وجود کو تاریخ میں جگہ دلی جائے کیونکہ ساری عورتوں کے تعلق کے بعد جب سیاسی و معاشی اعتبارات ان کے پاس آئے تو انہوں نے تاریخ کے عمل پر اپنا قبضہ کیا اور عورتوں کو اس عمل سے بالکل خارج کر دیا۔ اس لیے جب قدیم تاریخ کا مطالعہ کیا جاتا ہے تو اس میں عورت خاموش ہے۔ زبان اور رسم عمل کو دور کے روپ میں نظر آتی ہے۔

لیکن کیا ایسا تھا؟ اب مؤرخ عورتیں اور ان کے حامی مردوں کو تاریخ میں پہلو پر نہیں کرتے ہیں کہ اگرچہ سیاسی و معاشی فکرا و عقیدت مردوں کے پاس تھا، مگر اس کے باوجود عورت اس قدر محبوب ہے کہ کس اور بے سہارا نہیں تھی۔ وہ تمام نکاحوں اور سماج کے باوجود اپنی انفرادیت کو برقرار اور اپنے وجود کو قائم رکھے ہوئے تھی۔ اس نقطہ نظر کو ثابت کرنے کے لیے عورتوں کی تاریخ کے مسئلے میں اس پر تحقیق کی جا رہی ہے کہ قدیم معاشروں میں عورت کا کیا کردار تھا؟ اس کی کیا حیثیت تھی؟ اس کے کس قسم کے حقوق ملے ہوئے تھے؟ تاکہ اس مطالعہ کے بعد اس کا اندازہ ہو کہ عورت کی حیثیت میں سرحد واکس طرح سے تبدیل آئی۔ اس سلسلہ میں گے روبنس (Gay Robins) کی کتاب "قدیم مصر میں عورت" (1993) Women in Ancient Egypt ایک اہم کتاب ہے کہ جس میں مصنف نے قدیم مصر میں عورت کی حیثیت کا قصہ کرتے ہوئے اس کے تاریخی کردار کو اجاگر کیا ہے۔

گے روبنس اس کی جانب اشارہ کرتی ہے کہ اب تک مصر کی جو بھی تاریخ لکھی گئی اس میں

ہوتی ہوگی تو وہ ان سب سے جنسی تعلقات نہیں رکھتا ہوگا تو یہ مرد جس کی کمرنی ہوں گی؟ تھوڑی بہت جو شہادیں ملی ہیں ان سے تو یہی اندازہ ہوتا ہے کہ یہ مرد جس کی کمرنی اور لباس کے بنانے اور خوردگی آرائش میں مصروف رہتی ہوں گی۔ یہ بھی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ان میں سے اکثریت سچے، صوف اور پتھر میں یقیناً خوش نہیں ہوں گی اور انہیں ہونے کی طبیعت سے ان کے ساتھ خصوصیت سلوک کیا جاتا ہوگا۔ لیکن ان تمام نکالنے کو وہ اس لیے برداشت کرتی تھیں کیونکہ ان کی قربانی نے ان کے ملک کو امن و امان دیا اور طاقت ور حکمران کے قہر سے بچایا۔ لیکن ایسا یہ تھا کہ ان کی اس قربانی کی کوئی تحریک نہیں کی جاتی تھی اور اس سے ایک رسالت سمجھ کر قبول کر لیا جاتا تھا۔

شاہی خاندان کے ذکر کے بعد جب ہم عام مصری معاشرے کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ مصریوں میں شادی کے سلسلہ میں کوئی مذہبی یا سیکولر رسومات نہیں ہوتی تھیں۔ جب شادی طے ہو جاتی تھی تو لڑکی کے والد کو رقم دے دی جاتی تھی۔ طلاق کی صورت میں عورت اپنا چیز بدو رقم کر جو اساتھ میں لائی تھی اور وہ رقم لے لے کر وہاں لے جاتی تھی۔ طلاق کا رواج تھا۔ یہ پند و نا پند عورت کا باندھ ہونا اور مرد کا اعلیٰ عہدے پر پہنچ کر دوسری شادی کرنے کی وجہ سے تھی۔ لیکن مطلقہ عورت کی دوبارہ سے شادی ہو جاتی تھی۔ مرد شادی شدہ عورتوں کے علاوہ کنبروں یا ملازماؤں سے بھی جنسی تعلقات رکھ سکتا تھا۔ جائز یا ناجائز اولاد کا کوئی تصور نہیں تھا۔ لیکن شادی شدہ عورت کے لیے کسی دوسرے سے کسی تعلق رکھنا صحیح تھا۔

شادی کا بنیادی مقصد بچے پیدا کرنا اور خاندان کی تشکیل تھا۔ اور اس کے لیے بچہ و بچوں کے مندر میں نہیں مانی جاتی تھیں۔ اگر اولاد نہ ہو تو جتنی بٹانے کا رواج تھا۔ دانت کا ہونا اس لیے ضروری تھا کہ وہ باپ کے مرنے پر چھینر و بھینس کی رسومات ادا کرتا تھا۔

ریاست کے کڑے حاکم میں بیوروکریسی کی بڑی اہمیت تھی مگر اس کے لیے صرف مردوں کو تیار کیا جاتا تھا اس میں عورتوں کے لیے کوئی گنجائش نہیں تھی۔ امراء کے خاندانوں میں عورتیں صاحب جائیداد ہوا کرتی تھیں اور وہ اپنے شوہروں کے اختیار سے کبھی استعمال کر سکتی تھیں، اس طرح عورت کی حیثیت ان تھیں اس کے طبقے سے ہوا کرتا تھا، عام طبقوں کی عورتیں ان مراعات سے محروم تھیں۔

قاوت کی نظروں میں عورت اور مرد مساوی تھے۔ بطور شاہد وہ مرد کے برابر تھیں۔ دونوں کے لیے ایک جیسی سزا تھی۔ لیکن نچلے طبقے کی عورتیں غیر محفوظ تھیں خاص طور سے اگر وہ بیوہ ہوں

تھیں۔ اس کے لیے اخیر حاکمیت گھر سے نکلنا ضروری تھا۔ صاحب جائیداد طبقے میں عورت شوہر کی اور باپ کی ورثہ ہوتی تھی۔ وہ مردوں کی جائیداد کا نظام بھی کر سکتی تھیں۔ مگر لڑکوں اور لڑکیوں سمیت کئی اثاثے ہوں تو جائیداد کی آمدنی سب میں بڑا حصہ ہوتا تھا۔

قدیم مصر کے بتدرائی دور میں عورتیں مندروں میں ہم عہدوں پر فائز ہوتی تھیں۔ مگر سب سے سہل اس عہدہ سے نکال دیا گیا اور وہ موسیقاروں کی صف میں آگئیں۔ مرد کو یہ اختیار مل گیا کہ وہ تمام مذہبی رسومات ادا کرے۔ آخرت میں مرد اور عورت کے درمیان کسی فخر کی کا تصور نہ تھا۔ مرنے پر ان کی قبر میں بھی مرد، ست کی تمام چیزیں رکھ دی جاتی تھیں۔ مرد کی طرح ان کے ہم کو بھی مٹی کھدایا جاتا تھا اور چھینر و بھینس کی رسومات میں بھی کوئی فرق نہ تھا۔

اس عہد کے ادب سے بھی عورت کی حیثیت کے بارے میں پتہ چلتا ہے۔ اب یہ کہہ گیا ہے کہ ماں کی عزت کرو، کیونکہ وہ جنہیں پرورش کرتی ہے۔ بیوی کے بارے میں ہے کہ اس کا فرض بچے پیدا کرنا ہے۔ مگر بیوی کام کرنے والی ہے تو سے پر بھلا مت کہو۔ گروہ ست اور کام چور ہے تو اسے مرادو۔ مردوں کے لیے یہ نصیحت بھی ہے کہ دوسری عورتوں کے پیچھے مت جاؤ۔ عورتوں کی دوجہیں بتائی گئی ہیں۔ باعزت اور فاحشہ۔ باعزت وہ جو کہ خاندان کی حفاظت کرتی ہیں۔ فاحشہ وہ جو کہ مردوں کو بھاگ کر خاندان تباہ کرتی ہیں۔

اس عہد کے مجسموں میں عورتوں کو جوان، نازک اور خوبصورت بتایا گیا ہے۔ وہ حاملہ عورتی اور بد صورت نہیں ہیں۔ اس میں عورتوں کا رنگ صاف ہے جب کہ مردوں کو سنوایا گیا ہے۔ یہ ظاہر کرتا ہے کہ عورتیں گھروں میں رہتی تھیں اور مرد باہر کام کرتے تھے۔ ان میں مرد کام کرتے ہوئے عورتیں خاموشی سے انہیں دیکھتی ہوئی نظر آتی ہیں۔

اس مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ عورت سماجی طور پر اپنا مردی مقام کھو چکی تھی، مگر بھی بھی ابھار کی درجہ کی مساویات و روایات اور اس کے حقوق باقی تھے۔ لیکن بحیثیت مجموعی معاشرہ پر مرد کا تسلط قائم ہو گیا تھا۔

”تاریخ مصر“

لاہور: گلشن ہاؤس ۱۹۶۲ء

تشریب و روش پرست ہے، بلکہ کسی سے جدا تہذیب و تمدن کے عناصر و اشیاء کی تہذیبوں کا ایک
علاقہ تسلط ہے، تاریخ کے جوش و ہوا کی تحقیق کے بعد سامنے آئے ہیں وہاں کی تہذیب و تمدن کا ایک
میں بدشیت و تفریق فرشتی میں وہاں روایات و کردار کی ہیں کہ وہاں کے تہذیب و تمدن
ہے۔ یہ وہ روایات و تمدن ہیں بلکہ طاقتور ہیں جنہوں نے مغرب کو پورے کر کے ہے
وجود میں آئی ہیں، لہذا اب دیکھتے ہوئے حالات میں انہیں تنقید کا نشانہ بنا کر، انہیں توڑنا و ختم
کرنا ضروری ہے۔

ہندوستان میں عورت کن مراحل سے گزری، اور کن حالات میں اس کے ادارہ و روایات تشکیل ہوئی، اس کا ذکر اے۔سے ایس۔ آئلنگر نے اپنی کتاب "ہندوستانی تہذیب میں عورت کی حیثیت" (A. S. A Sekar The Position of Women in Hindu Civilization, Delhi, 5th edition 1983) میں کیا ہے۔

عام طور سے ہندوستان کی تاریخ کو ویسویں صدی کے دور سے شروع کیا جاتا ہے، لیکن یہ
آج قدرے بعد کی دریافتوں سے دور، درمیانی دور کی بھی بہت سی خصوصیات کو اجاگر کیا ہے کہ جن کی
بنیادوں پر اس دور کے معاشرے کی بھی تشکیل کی جا رہی ہے۔ عورتوں کے مسئلہ میں اس دور میں
ایک خاص بات یہ نظر آتی ہے کہ دیویوں و پوتاؤں کے مقابلہ میں زیادہ اہمیت جنس پر اس بات کا
مفسر ہے کہ معاشرے میں عورتوں کو کھلی ہوتا تھا یا خفیہ طور پر عورت کو مرد پر برتری تھی یا عورتوں
کو اس کی مقام حاصل تھا کیونکہ اس وقت جب شادی کے بعد عورت نئی رہائش گاہ پر تھیں کہیں کہیں
نئی اور خاندان اور رشتہ میں اس کا حصہ ہوا کرتا تھا۔

یہ سب اس وقت ہوا کہ جب ہندوستان میں آریاؤں کا تسلط ہوا، اور دلوڑی معاشرہ کی روایاں نکل کر ہو گئیں، جس کے نتیجہ میں دیویاں تو باقی رہ گئیں، مگر انہوں کی حیثیت کم تر ہوتی چلی گئی۔

خود دیکھ دیا کہ دور کے ابتدائی حصہ جس، یعنی مہم جو، ہم تک عورتوں پر تسلیم دی جاتی تھی
عورتیں دیکھ کر ان کے اطمینان و خلسہ و دوش مری میں باہر ہوا کرتی تھیں، لیکن مہم جو۔ م کے بعد اس
رہ۔ یہ تہہ بندی فی شروع ہوئی اور عورتوں پر تسلیم کے دروازے بند ہونا شروع ہوئے۔ مثلاً جب
وہ دیکھ کر کہ لیکن نہیں لگاسکتی تھیں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ہمیں مردوں نے عبادت پر بھی جارہ

ہندو سماج میں عورت

تاریخ کے مطالعہ سے ایک حیرت افروز حقائق کے کھنڈے سامنے آتے ہیں۔ یہ کہ کوئی مولانا عروا سے تعلق نہ رکھتا تھا۔ عروا کا ایک شکل میں بھی نہ رہتا ہے بلکہ وہ تدریسی عمل سے گذر رہے ہیں۔ یہ تدریسی ثابت بھی ہوتی ہے اور عشق بھی۔ یہ حواشر کو آگے بھی پہنچانے کے لئے ہیں۔ ان میں اضافہ بھی کرتی ہے۔

موجودہ زمانے میں عورتوں کی تاریخ پر جو تحقیق ہوئی ہے اس نے تاریخ کے بہت سے قسم شدہ کاغذوں سے پردہ اٹھایا ہے اب تک تاریخ جو محض عورتوں کے کارناموں اور ان کی ذات سے یکجہائی جاتی تھی اب اس میں عورتوں کی شہریت نے سے ایک نیا رنگ اور نئی زندگی دی ہے۔ کیونکہ عورتوں کے حوالے سے اب تک سب کچھ جانتا تھا کہ وہ جس کی ابتدا یہ میں عورت کی موجودہ حیثیت کا مشہد سے ملتی رہی ہے۔ اس لیے ماضی کو عورت کے خلاف ہی استعمال کیا جاتا تھا اور اس کی بنیاد پر سے رسوائی اور انجوس میں جکڑ کر رکھا جاتا تھا۔ ان رسوائی کے خلاف آواز اٹھانا یہ ان پر تنقید کیا نہ ابھی جانتا تھا کہ عورتوں سے روایتی اور غیر انصاف کا مشہد اپنی جگہ سے اٹل جاتا تھا۔ اس لیے اس کو عداوت کے نتیجہ میں اشتہار و بدنامی اور بے چارگی کے کھڑے ت اور قرار دینے کی بات کی جاتی تھی اس موجودہ زمانے میں بھی جب عورت اپنے حقوق کی بات کرتی ہے تو اسے کفر، جانبداری اور حسائشہ کے لیے خطرناک مقرر دیا جاتا ہے۔ اور عورت کی روایتی حیثیت کو ماضی کی روشنی میں دیکھتے ہوئے اسے اپنی موجودہ حیثیت پر لانا شروع کر کے کہا جاتا ہے۔

یوں تو ہر قلعہ ب میں وقت کے ساتھ ساتھ صورت کی حیثیت اور دلچسپ رہتی رہی ہے مگر
نہ، ستان کے حاشے میں وہ جن قلعہ ب و فرات سے گزر رہی ہے، اس سے نہ صرف عورت کی

دار کی قائم کرنی تھی۔ مذہبی رسومات ان کرنا اور پوجا پاٹ ان کا پیشینہ تھا لہذا ان کا مقادار یہ تھا کہ ان کے علاوہ اور کوئی اس پیشہ میں نہیں آئے۔ اس لیے پہلے اس پر پابندی ہوئی کہ انجن نہیں کاٹتی ہیں۔ لیکن بعد میں کھیتے ہڑنے پر بھی پابندی لگا دی گئی۔ صرف طوائفوں کو اس بات کی اجازت تھی کہ دھکھٹا پڑھا سیکھ لیں۔

دعویٰ کے ابتدائی دور میں ۱۹ سال تک عورت کی شادی نہیں کی جاتی تھی۔ مگر پھر یہ عرکت کر ۱۸ اور ۹۹ صدیوں میں ۹ سے ۱۰ سال ہو گئی۔ عورت کے لیے شادی کرنا لازمی ہو گیا تھا، اور یہ عقیدہ ہو گیا تھا کہ عورت بغیر شادی کے جنت میں نہیں جاسکتی ہے۔ شادی کا دار اس حد تک ضروری ہو گیا تھا کہ کوئی عورت بغیر شادی کے مر جائے تو مرے کے بعد شادی کرے اس کے جسم کو جلتا چاہیے۔ اس لیے والدین بوقت سے پہلے ہی لڑکی کی شادی کر دیتے تھے۔ بیسویں صدی کے آتے آتے لڑکی کے لیے باعزت ہونا بھی لازمی ہو گیا۔

شادی کی کئی قسمیں تھیں۔ مثلاً ریرونی خواہ کر کے بھاتا اور شادی کرنا، فاتح بن کر آنا اور عورت نوے جانا، رقم دے کر شادی کرنا تاکہ اس سے خاندان کی عزت رہے، بغیر رقم دینے شادی کا مطلب تھا کہ بھائی کی کوئی عزت نہیں ہے، اگر کوئی لڑکی کی عصمت دری کرتا تھا تو اس سے زبردستی شادی کر دی جاتی تھی، محبت کی شادی بھی ہوتی تھی۔ مگر ہم شادی کے انتخاب میں والدین کا زیادہ حصہ ہوتا تھا۔ کم عمری کی وجہ سے لڑکی بچہ ہونے والے شوہر کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں دے پاتی تھی۔

۱۹۰۰ء میں بوقت سے پہلے شادی کا رواج شروع ہو گیا۔ سنی کے عوام نے بھی کم عمری کی شادی کفر و شرک کیونکہ باپ کے مرے پر جب مال بنتی ہو جاتی تھی تو لڑکی کی دیکھ بھال اس کے سرال والے کرتے تھے۔

اگرچہ ابتدائی دعووں کے دور میں "سو بھر" کی رسم میں عورتیں یا شوہر خود منتخب کرتی تھیں، مگر کم عمری کی شادی نے اس رسم کو ختم کر دیا۔ یہ صرف مر کے طبقے میں رہی۔

ابتداء میں جھیز کا کوئی رواج نہیں تھا۔ یہ رواج بھی بعد میں ہوا۔ تیرہویں و چودھویں صدیوں میں رنجوانہ میں اس کا رواج پڑھ گیا۔ اس طرح سے ابتدا میں مختلف ذاتوں میں شادی ہوتی تھی، مگر سہارن میں یہ سلسلہ بھی ختم ہو گیا۔ اس کی ایک وجہ وہ ثقافتی فرق تھا جو چار ذاتوں میں

تھا۔ اس نے ذات و پست کی تقسیم و پائی و نا پائی کے تصورات کو مضبوط کیا۔ یہی صورت طلاق کی ہے۔ عورت آسانی سے طلاق لے کر دوسری شادی کر سکتی تھیں، چلی ذاتوں میں اب تک طلاق کے بارے میں خرم اصول ہیں۔ شراویں ذات والوں میں یہ مشروع ہے۔

منو کے قانون کے مطابق مرد دوسری شادی کر سکتا ہے۔ عورت کو اس کے باوجود اس سے رہنا ہوگا۔ لہذا ایک مثالی بیوی کے بارے میں حورایات تھیں، وہ یہ تھیں کہ شوہر کی وفادار، حد مت گذار ہو اور نہ ہی ہر شوہر کے لیے حود وقف کر دے۔ چونکہ یہ وہاں اپنے شوہر کی چاکر و ہے کچھ نہیں ملتا تھا، اس لیے ہندوستان کی تاریخ میں لڑکوں نے ماں کو قتل نہیں کیا۔

ابتدائی تہذیبوں میں یہ خیال عام تھا کہ مرنے کے بعد بھی مرنے والے کی مرد و بیات رندوں جیسی ہوں گی۔ اس لیے اس کے آرام اور خدمت کے لیے ملازم اور مرد و بیات کے سامان کو اس کے ساتھ ہونا چاہیے۔ اس کی مثال مصر کے فرعون ہیں کہ جن کے مرنے کے بعد ان کے ساتھ کثیرین، ملازم، نوکرانے بیٹے کے سامان کو دفن کر دیا جاتا تھا۔ لیکن مرد کی برتری کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ اس کے مرنے کے بعد اس کی بیویاں تو اس کے ساتھ دفن ہو جاتی تھیں، مگر بیوی کے مرنے کے بعد اس کا شوہر اس کے ساتھ دفن نہیں ہوتا تھا۔

دعویٰ کے عہد میں سنی کا رواج نہیں تھا۔ یہ وہاں ہر کی مثال کو جاننے سے پہلے اس سے پتہ چاتی تھی، اس کے بعد اسے دیکھ کر خوش حالی کی دعا کی جاتی تھی اور چار سنی کردہ دھار سے شادی کر سکتی ہے۔ ۱۹۰۰ ق۔ م تک سنی کے بارے میں کوئی رواج نہیں تھا۔ سبکدستی و گوثیلہ نے بھی اس کا ذکر نہیں کیا ہے۔ اس کی پہلی مثال ۱۶۱۶ ق۔ م میں ملتی ہے کہ جب ایک جرنل نوید کے مرنے کے بعد اس کی دو بیویاں ملنے چاہتی تھیں۔ چونکہ بڑی دان منس سے تھی اس لیے اسے اس کی اجازت نہیں ملی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بعد سے اس مرد و بیات خاندانوں میں یہ رواج عام ہو گیا۔ مگر چار سنی وقت بھی چل کر مرنا یا رہا نہایت خفیہ کرداروں میں سے ایک کا انتخاب کیا جاسکتا تھا۔ اکثر دوسرے کو ترجیح دی جاتی تھی۔ عورت کو مرد و بیات کا رواج ہے چل کر مرنا، خود کشی ہے اور قتل جلد کی حد ہے ہوتا ہے اس لیے اس سے بچنا چاہیے۔

تغز لکر کے لوگوں نے سنی کے خلاف ہم چلا دی۔ انہوں نے اس فکر کو پیدا کیا کہ عورت، باری ہے، اس لیے اسے چل کر نہیں مرنے چاہیے۔ مگر سنی کی رسم جنگ و قتال میں مقبول ہو گئی اور اس سے

سنی فاماری وہ بہ بڑی۔ یہی نہیں جندرم سے ظہیر کو یوں کہہ کر میں آیا گیا کہ عورت کی
 قادی سے شوہر سے زنا و خرم ہو جائے اور وہ "مردوں" حاصل میں گئے جب آپا یہ رم
 مذہب کا ایک حصہ ہو گئی تو اس کی تشریف تو صیف کی جانے لگی۔ "مذہب" میں اس کے دوسرے
 میں کہا گیا کہ اس سے شوہر و بیوی کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ اس کے خوش روٹوں ساڑھے
 تین کروڑ سنان جنت میں رہیں گے۔ یا اس کی جنت میں مستقل رہائش ہو جائے گی۔ "مذہب" سے
 "اہلک شای ہند" اور کشمیر میں یہ قبول ہو گئی اور نہ صرف چوہیل بلکہ کشمیر میں بھی مرد کے ساتھ چلنے
 لگنے۔ چوہیل ہندوستان میں اس کا رواج آہستہ آہستہ پھیلا اور تیرہویں و چودھویں صدیوں میں
 جا کر اس کی مثالیں ملتی ہیں۔

راجپوتانہ کے حکمران حاکم نوس میں سنی کی رسم بڑی مستحکم تھی۔ ۱۷۲۳ء میں ماروارڈ کا
 راجہ دجیت سنگھ مرہٹوں کے ساتھ ۶۳ عورتیں سنی ہو گئیں، یونہی کے راجہ بودھ سنگھ کے ساتھ
 ۸۴ عورتیں مرہٹوں کے ساتھ تھیں۔ اس قسم کی مثالیں بھی ملتی ہیں کہ جن میں ۵۰ سے لے کر ۳۰۰ تک عورتیں
 بادشاہ کے ساتھ چلیں۔

سنگھوں میں، اگرچہ مردوں نے سنی کی مخالفت کی، مگر انہوں نے بھی اسے تسلیم کر لیا۔
 رنجیت سنگھ کے مرہٹوں پر اس کی چار جگہات اور سات کثیر ہیں اس کے ساتھ سنی ہو گئیں۔ اس کے
 جانشینوں میں بھی یہ رسم جاری رہی۔

مرہٹوں میں عورتیں چلیں مگر کم۔ شیو سنی کے مرہٹوں پر صرف ایک عورت اس کے ساتھ چلی۔
 مرہٹوں پر استوار، ناگ پور، گوالیار، اندھرا کی ریاستوں میں یہ رسم ہندوہ چھوٹی نہیں تھی۔

سنی کی یہ فکر کے طور پر جو سنہ ہندوستان میں جگہ جگہ نظر آتے ہیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ
 متروہویں اور اٹھارویں صدی تک عام لوگوں میں بھی اس کا رواج ہو چکا تھا۔ صرف ساگر کے ضلع
 میں ہے، اسٹھ ہیں۔

اس رسم کو مٹوں جانے کے لیے اسے مذہبی حیثیت دے دی گئی۔ سنی ہونے والی عورت کو
 بنانا سنگھار کے بعد باجہ اور جٹوں کے ساتھ الوداع کیا جاتا تھا۔ اگر شہر گئیں اور مرہٹا تھا تو
 عورتوں کی پگڑی، جو تے کے ساتھ مل جاتا کرتی تھیں۔ اس کو دیکھتے ہوئے کہ کہیں عورتیں
 "مذہب" سے بھاگیں نہیں، ورنہ میں انہیں جانے کے لیے گڑھے میں ڈال دیا جاتا تھا۔

اکثر ان کے ہاتھ پیر یا منہ دینے جاتے تھے۔ آئندہ میں کہ جہاں مردوں کو دفن کرنے کا رواج
 جا رہا ہے وہ "سن" نہیں جاتا تھا

مگرچہ ۱۸۳۹ء میں گورنر جنرل ولیم بینٹنک نے اسے ممنوع قرار دیا مگر اس کے باوجود یہ
 رائجیتا میں جاری رہی۔ ۱۸۴۳ء میں اودے پور کے راجہ ان سنگھ کے مرہٹوں پر عورتیں اس کے
 ساتھ چلیں۔ "ہندوستان" میں ہندو مت کے انہوں کے بعد پھر یہ کوشش ہو رہی ہیں کہ اس رسم کو
 دودھ سے جاری کیا جائے۔ چنانچہ اس کی کچھ مثالیں راجپوتانہ کے علاقے میں ہیں کہ جہاں
 (مردوں کی بیوی کو شوہر کے ساتھ جتا پڑھ کر چلا دیا)

یہ عورتوں کے ہارے میں معاشرے کے روپے بھی وقت کے ساتھ ساتھ بدلتے رہے
 ہیں مثلاً ابتدائی دور میں یہ عورت کے لیے نہیں رہتے تھے۔ سنی کے عالم میں جتا پڑھ کر گزار
 دے، کسی اور مرد سے پچھید کرے جو نیوگ کی رسم کہلاتی تھی، یا دودھ سے شادی کرے۔ شوہر
 کے بعد چلی اس کے بھائی کی ملکیت ہو جاتی تھی تاکہ اس کے ذریعہ لڑکا پیدا کرے کہ جو خاندان کو
 باقی رکھے۔ نیوگ کے ذریعہ تین لڑکے تک پیدا کرنے کی اجازت تھی۔ "مذہب" میں یہ عورت
 شادی کا رواج کم ہو گیا۔ یہاں تک کہ ۱۷۰۰ء میں یہ عورت کی شادی کو بھٹھا جانے لگا۔ اس کے بعد
 سے معاشرا میں یہ عورتوں کو اس قدر برائی نظروں سے دیکھا جانے لگا کہ اس کی وجہ سے اکثر اس
 ہونے کو تر تہا وینے لگیں۔ کیونکہ یہ عورتوں کے لیے اس کے علاوہ اور کوئی چارو نہیں تھا کہ یہ خود
 رہا سزا دے گی اختیار کر لیں اور پھر طوائف ہو جائیں۔ ۱۸۵۵ء میں امپیرل کونسل سے یہ لوگوں کی
 شادی کا قانون پاس ہوا۔

ی مہرغ سے ابتداء میں پردہ کا کوئی رواج نہیں تھا۔ مہاراجت اور راجائن میں اس کا ذکر
 شاہی خاندان کی عورتوں کے لیے آیا ہے کہ وہ غبروں کی نظروں سے دور رہیں۔ مگر دوسری عورتیں
 پردہ نہیں کرتی تھیں۔ اس کا خدارہ بھتوں اور تھاکویر سے ہوتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ شاہی خاندانوں
 اور ہیرا میں اس کا رواج مسلمانوں کی آمد کے بعد سے ہو۔

ہندوستان کے مہاراجوں میں دیوداسیوں کا اورہ منبول رہا۔ دیوداسیوں رقص و موسیقی میں ماہر
 ہوتی تھیں اور مذہبی رسومات میں حصہ لیتی تھیں۔ مہار کے پردہ سے یا تو خواہشورت لڑکیاں
 خریدتے تھے، یا لوگ سنت مان کر اپنی لڑکی مہار کے حوالے کر دیے تھے۔ دیوداسیوں کا رواج

۱۶ء میں شروع ہوا اور پھر اس قدر عجب ہوا کہ مندروں میں ان کی تعداد بڑھتی گئی۔ مثلاً
موساتھ کے مندروں میں ۱۱۰۰ اور یوڈاسیاں تھیں اور ۱۸۰۰ء میں گجرات کے مندروں میں ۱۱۰۰۔

عورتوں کے درجہ کم کرنے کے لیے جو وجوہات دی گئیں، وہ یہ تھیں کہ وہ جنس کے دوران
نا پاک ہو جاتی ہے، اس لیے اسے مذہبی رسومات ادا کرنے سے روک دیا گیا۔ مرد عورت پر ملکیت
کے حقوق رکھتا تھا اس کی مثال پاٹرو کی ہے کہ جنہوں نے وہ بچی کو جو عے میں پارو دیا تھا۔ عورت
کو بطور غنہ دیکھا یا فردخت کرنے کا بھی رواج تھا۔

دراشت سے مسئلہ میں ہندوئی پردوں کے عہد میں گرلز کا نہیں ہوتا تھا تو مذہبی وارث ہو جاتی
تھی، مگر بعد میں اس کا یہ حق ختم ہو گیا۔ یہ عورتوں کو بے شہر کی جائیداد سے کچھ نہیں ملتا تھا
یوں کہ کی صورت میں گرلز کا پیدا ہونا تھا تو وہ وارث ہوتا تھا۔ یہ کو بھی اس قسم کا کوئی حق نہیں تھا کہ
وہ بیٹھگی کی صورت میں جائیداد سے کچھ حاصل کر سکے۔

ہندو تہذیب میں جس طرح سے عورت کی پوزیشن کو کم کر کے اسے مرد کی ملکیت بنایا گیا ہے،
اس کی مینا پر آج تک مذہبی انتہاء پسند عورت کو اسی مقام پر رکھنا چاہتے ہیں اور ماضی کے شہاد کو
پہلی دلیل بناتے ہیں۔ اس لیے کسی بھی معاشرے میں جب قدیم روایات کے حیا کی بات ہوتی
ہے تو اس کے ساتھ ہی فرسودہ روایات اور ان کے ایک نئی زندگی اور نئے معنی حاصل کر کے
معاشرے میں مقبول ہو جاتے ہیں۔ آج ہندوستان کا معاشرہ اس تعداد کا شکار ہے۔ جدید قدیم
روایات کے درمیان جو کشمکش ہے اس کے نتیجہ میں معاشرے کو فیصلہ کرنا ہے کہ سے کسے جانا
ہے یا نہیں، مانعہ روا کر ماضی کے اندھیروں میں چاہ لٹکی ہے، اگر دیکھا جائے تو یہ مسئلہ صرف
ہندوستان ہی کا نہیں بلکہ ہر اس مد قد اور معاشرے کا ہے کہ جہاں جدید قدیم روایات سے مدد پر چکار
ہیں۔

”تاریخ اور حقیقت“

لاہور: گلشن انڈس ۱۳۰۳ء

قدیم یونانی عورت

بہ کم از کم اس کو تسلیم کر لیا گیا ہے کہ جب مرد کا رہائے لڑکیاں سرانجام
دے رہا تھا، یعنی اداروں کی تعمیر کر رہا تھا، تہذیب و ثقافت اور اشیاء پیدا کر
رہا تھا، لوگوں پر حکومت کر رہا تھا، اور ان سرگرمیوں میں مصروف تھا کہ جسے
آج ہم سائنس کہتے ہیں تو اس وقت عورتیں بھی کچھ نہ کچھ ضرور کر رہی
تھیں۔ یعنی زیادہ سے زیادہ مرد یہ کہہ رہے تھے کہ جو نیا نیا ایجادیں
اور زیادہ سے زیادہ عیش بیکار مردی تھیں تاکہ مرد پیدا ہوں۔ (پلاس
سکھو ہے)

دنیا کی تہذیب و تمدن میں یونانی فلسفیوں، شاعروں، ادیبوں، مشاہیر اور سیاستدانوں کا بڑا اہم
حصہ ہے۔ حیرت کی بات ہے کہ جغرافیائی طور پر اس محدود حصے کی ایسی ذہنی و علمی ترقی ہوئی کہ جس
نے دنیا کو بدلتے، تبدیل کرنے اور حالات سے مقابلہ کرنے کا سبق دیا۔ لیکن جہاں ایک طرف
اطالیہ میں وہابی و راسخ فلسفہ و تہذیب پیدا ہوئے، شہری جمہوریتوں نے جمہوری روایات و افکار کو پیدا
کیا۔ یونانیوں کے ساتھ تصنیف کا وہ اعتبار کیا۔ اور عورت کی حیثیت کو تنہا ہی پس ماندہ بنا کر
سے مر کے تابع کر دیا۔ یہ بھی حیرت کی بات ہے کہ جہاں علمی و ادبی ترقی کی علمی بحثیں ہوئیں،
ہر حق و سچ، حقوق و بات، ہونے والی و غیر ملکیوں اور خصوصیت سے
مرد و عورت کے درمیان ہو گیا۔

اس سے عورتوں کی تحریک کی بدلاء ہوئی ہے، اس وقت سے عورتیں تاریخ میں عورت کی

حیثیت اور اس کے کردار کے مطالعہ میں معروف ہیں۔ اس سلسلہ کی ایک کڑی حوالہ دہلی (Sue)
(Rundell) کتاب قدیم یونان میں عورت (Women in Ancient Greece)
ہے۔ یہ ۱۹۹۵ء میں داروڈیجیٹل لائبریری کی جامعہ سے شائع ہوئی ہے۔

مصنف نے کتاب کے شروع میں اس کی تشریح کی ہے کہ قلم جو ہاں سے اس کی کیا مراد ہے۔ وہ اس عہد کو ۱۳۰۰ ق۔ م سے لے کر ۴۰۰ھ صدی عیسوی تک لاتی ہے ۵۰۰ ق م سے ۳۳۲ ق۔ م تک کے عہد کو وہ یونانی تہذیب کی تشکیل کا عہد قرار دیتی ہے کہ جس میں اداس کی حیثیت متعین ہوئی، اور عورت کے کردار کو مناسب سانچے میں ڈھالا گیا۔ جیسا کہ قلم تاریخ میں ہے اس کی تفسیر میں سب سے زیادہ مشکل اس لیے پیش آتی ہے کہ اس میں معلومات کی کمی ہوتی ہے۔ اگر عورتوں کے بارے میں تھوڑی بہت معلومات ہیں تو وہ ابھی طبقہ اعلیٰ کی عورتوں سے حاصل ہیں۔ عام عورتیں تاریخی عمل میں غائب ہیں۔ اس عہد میں عورتوں کے نام بھی نہیں ملے ہیں۔ سلاطین ایک ایسی عورت ہے کہ جس کا نام اس کی شاعری نے محفوظ کر دیا ہے۔ اہل عورتوں کے بارے میں تمام معلومات کا ذکر یہ مرد ہیں۔ مردوں کی نظر سے عورت کو ادب، مصوری اور مجسم سازی میں دیکھا گیا ہے۔ عورتیں اپنے بارے میں کہیں کوئی نظر نہیں آتی ہیں کہ ان کا اپنے بارے میں کیا خیال تھا وہ مردوں کے ہاں سے نہیں کیا سچتی تھیں، اور اس کے اس وقت کے کیا مسائل تھے اس لیے آج مورخوں کے لیے اس کے علاوہ اور کوئی راستہ نہیں ہے، وہ ان ہی شہادتوں پر چھوڑ کر یہ کہ جو مردوں نے چھوڑی ہیں، اور انہیں کی دنیا پر محاشرے میں عورت کی حیثیت کا تعین کریں اور یہ کہیں کہ وہ ادب، مصوری اور مجسمے میں کس طرح سے پیش کی گئی ہے۔

یونان کے دیو لائی قصوں میں جہاں دیوتا بہت دیویاں بھی ہیں، ان میں شہر دیان بھی ہیں، اور ملک میں بھی۔ دیوی دیوتاؤں کی، نیایش۔ کسانوں کی طرح رہتے ہیں۔ شا کی بیوہ رستے ہیں۔ آتش میں لڑائی بھڑکے کرتے ہیں۔ بچے پیدا کرتے ہیں۔ جہاں دیویاں بھی انتہائی ہم جودہاں ہیں۔ انہیں غیر ہم۔ مثل مشہور شاعر ہسٹوڈ (Hesiod) نے اس قصہ بیان کیا کہ یونانی دیوتا۔ جو اس (Cacus) نے پہلی عورت پنڈرا (Pandora) یونان حسن۔ مہرور دیوی میں تھانے پیدا کی۔ لہذا ایک طرف عورت مہرور تھی تو دوسری طرف وہ اس سے بچے عقلمندانہ تھی۔ لہذا عورت بھی تھی۔ اس تک مہرور کسی خوشی پر تھانے، مگر یہی عورت سے مہرور تھانے خصوصاً عہد علم نظریہ

سرحدی اور طرف پھیلنا۔ یہاں اس تمام پرچاؤ میں صرف ”امید“ باقی رہ گئی۔ ایک حصہ یہ بھی ہے کہ عورت کو تسلیم نہ کیا گیا اور مرد کو بطور ثقہ اسے دیا گیا۔ لہذا ازدواجی سے اس کی سرشت میں حشر شامل ہے اور جب یہ نہا کہ عورت بطور ثقہ ہے تو اس میں دونوں خصوصیات شامل ہیں۔ یہ حشر میں آتی ہے مگر مسلّماتی کے تسلسل کے لیے بھی ضروری ہے۔ یہ بچہ پیدا کرتی ہے جو

یونان کی دیویوں میں کنو راہین انتہائی اہم تھا۔ یہی خصوصیت یونان کے معاشرے میں اہم تھی۔ حریت شادی تک کنو راہی رہے۔ اس کی نظم الجیلڈ (Maid) میں حریت شخص ملکیت، تھکے اور غمے ہے اس سے زیادہ نہیں۔ اس عہد میں یونان مسلسل جنگوں میں مصروف رہا۔ خود کشی مردوں کو جنگ سے روکنے بھی نظر آتی ہیں۔ یونان میں جنگ پر انسانی بھی ہیں۔ مگر ہر صورت میں وہ مرد کے تابع ہیں۔ ان کا خوسے اپنا کوئی کردار نظر نہیں آتا ہے۔ ان کا ہر عمل مرد سے متعلق ہے۔

ہومر کی دوسری نظم ”اوڈیسی“ میں مرد کا تسخیر کرتا ہے۔ اس میں لڑکا اپنی ماما سے کہتا ہے کہ وہ گھر جائے اور کپڑا بنے میں مصروف ہو جائے۔ مردوں کا کام بچت و سہااحت ہے اور عورت کا کام کمرے میں مصروفیات۔ شادی کا ادارہ وجود میں آچکا تھا مگر اس کا مطلب مرد کی بالادستی تھی یعنی مرد آزاد ستانی اور عورت کا محافہ و گھرانہ تھی۔

نہیں جہاں ایک طرف صورت گمر میں تھیں اور سر کی گمرانی میں تھیں، وہاں اسی عہد میں الیادوں (Amazon) عورتوں کے بارے میں تھے وہ کہتیاں بھی مشہور ہوئیں۔ کہا جاتا تھا کہ یہ بکرہ سو کے صوبہ مشرق کی رہنے والیاں تھیں (جو جوں شالی تری) یہ مردوں کی طرح رشتی تھیں، شکار کرتا، جنگ لڑتا ان کے مشاغل تھے۔ یہ ہمہ مردوں کے رشتی تھیں، اور سال میں صرف دو ہی بار مردوں سے ملنے کے لیے نکلتی تھیں۔ اگر ان کے ہاں لڑکی پیدا ہوتی تھی تو سے رکھ لیتی تھیں، اگر لڑکا ہوتا تو اسے چھاڑی طرف رہنے والے مردوں کو دے دیتی تھیں۔ آثار قدیمہ یا کسی اور

۵۰۔ مے کے کرۂ حق۔ ایک دوامد ہے کہ جب یونان میں شہری ریاستیں وجود میں

آئیں اور بے قوانین کی تشکیل ہوئی اور رسم و رواج کا قہر جو اس مہم میں موت کی حیثیت کے بارے میں معاشرے کے رجحانات بنتے ہوئے۔ اس عہد میں بڑی تبدیلیاں دیکھائی دے رہی تھیں۔ معاشرے کے اخلاقیات مٹنے لگی تھیں۔ ایک طریقہ یہ بھی پیدا ہو گیا تھا جس سے معاشرے کی جگہ پر چھوڑ دیا جاتا تھا تاکہ وہ مر جائے۔ چھوٹے گھرانوں کے بچے بڑی بھائیوں کے پاس رہنے کا یہ رواج تھا۔ یہ مستقل رواج نہیں تھا، بلکہ کبھی کبھار وہ بدلتا رہتا تھا۔

جب یونان میں شہری ریاست مستحکم ہوئی تو پھر اس ریاست کی مضبوطی اور پائیداری کے لیے خاندان کی ایک جتنی اور اتحاد ضروری ہو گیا۔ اس وجہ سے وراثت کا رواج ہوا۔ وارث لڑکے ہوتے تھے اور خاندان مرد کے تابع ہوا کرتا تھا۔ ایسا عہد تھا کہ برادری کے باہر شادیاں کی جاتی تھیں تاکہ ان کا اثر و رسوخ بڑھے۔ مگر بعد میں شادیاں خاندان کے اندر ہی ہونے لگیں تاکہ وہ متحد رہے اور ٹکڑے نہ بن جائیں۔

امراء کے خاندانوں میں لڑکی کو حاصل کرنے کے لیے مقابلے ہوا کرتے تھے۔ جیسے دھوکوں کی دوڑ، بحث و مباحثہ یا رقص۔ شادی سیاسی اثر و رسوخ کو بڑھانے اور دولت کے حصول کے لیے کی جاتی تھی۔ آخر میں شادی کا مقصد زیادہ دولت اور جائیداد حاصل کرنا ہو گیا۔ جس کی شکایت ایک شاعر اس طرح کرتا ہے۔

ایک اچھا آدمی۔ نچلے درجہ کی عورت سے شادی کرتا ہوا نہیں گھبراتا ہے
بشرطیکہ اس کے پاس دولت ہو۔ نہ ہی ایک شریف عورت کو کم درجہ کے
مرد سے شادی کرتے ہوئے شرم آتی ہے کیونکہ وہ خاندان سے زیادہ
دولت کو ترجیح دیتی ہے۔

ابتداء میں مرد شادی سے پہلے لڑکی کے حصول کے لیے اس کے باپ کو قہر دیا کرتا تھا، لیکن بعد میں چیز کا رواج ہو گیا۔ کیونکہ اب وراثت کے قوانین میں تبدیلی آگئی تھی۔ لڑکی کو باپ سے جو جائیداد ملتی تھی اس کا انتظام اس کا شوہر کیا کرتا تھا۔ چھوڑی کی اس رسم سے خیر یا حاسد کسی کی کے بغیر منصفیت ہو جائیگی۔ کیونکہ طلاق کی صورت میں شوہر کو جائیداد واپس کر لی جاتی تھی اس لیے جائیداد یا چیز کو رکھنے کی خاطر مرد عورت سے بہتر سلوک کرتا تھا۔ چیز کی رسم سے عورت کی حیثیت کو اس طرح بدلا کہ اب اسے قہر سے کرکڑی نہیں سمجھا جاتا تھا۔ اب یہ مردوں کیسے ہوا کہ اس

نہ ہونے کے لیے قہر دیا جائے۔ بلکہ اس کے برعکس باپ اپنی وجہ دیکھتا تھا کہ اس کا مستقبل خراب ہو۔ انیسویں صدی کے وسط تک محدود تھا۔ غریب لوگ شادی اس لیے کرتے تھے۔ اس کا سلسلہ ایسا تھا کہ امراء میں عورت کا کنوارا ہونا ضروری تھا۔ اس لیے لڑکیوں کی عمر بڑھاتی رہتی تھی۔ بچے بچوں کی عورتیں کام کاج کرنے کی وجہ سے آزاد تھیں۔ مراد یہی ہے کہ عورتوں کو تو اس سے تعلقات رکھ سکتا تھا لیکن شادی شدہ عورت کے لیے ناجائز خدمت رہا کرتی تھی۔ قانون دس سال (Solon) کے قانون کے تحت اگر لڑکی کنوارا بن سکے تو اسے بیاہ دیا جاتا تھا۔ اس طرح سے بطور کثیر فروخت کر دے۔ امراء کی عورتیں بڑے سے بڑی نہیں اور جب تک کہ انھیں توچہ پر قابو نہ آتی تھیں۔

مرد نے عورتوں کے لیے جو قوانین بنائے تھے اس میں ان کے لباس کی تلاش خرافات کا تقاضا تھا۔ اور گھر سے باہر آنے پر پابندی تھی اور معاشرے میں عورت کی سب سے بڑی نامیت یہ تھی کہ وہ جاہل، خاندان اور ریاست کا اہم متون تھی، کیونکہ وہی جائیداد کا وارث پیدا کرتی تھی جو کہ اس کا سرمایہ ہوتا تھا اور یہ خاندان ریاست کے وفادار ہوتے تھے۔ جائیداد کے وارث کے لیے مرد ہونا ضروری تھا۔ اس لیے اگر وارث نہ ہو تو تحقیق بنانے کا رواج تھا کہ اگر بھائی نہ ہو تو باپ کے مرنے کے بعد لڑکی کسی قریبی رشتہ دار سے شادی کر لیتی تھی تاکہ لڑکا پیدا ہو اور وہ جائیداد کا وارث ہو۔ اس طرح دیکھا جائے تو جائیداد کی حفاظت میں عورت کا کردار اہم ہو جاتا ہے۔

یونان کے شاعروں میں عورت کا تصور معاشرے کے رجحانات کی عکاسی کرتا ہے۔ وہ جاتی کا باعث ہے، معاشی بوجھ ہے، مگر مرد کی ضرورت بھی ہے۔ ان کی شاعری میں عورت کی تو تحریف سے گریزی گئی نہیں۔ دوسری عورتوں کے قصوں کا جذبہ شدت کے ساتھ ہے۔ ان کے ہاں عورتوں کو عورتوں سے تشبیہ دی گئی ہے۔ مثلاً طوائف کو قتل کیا گیا ہے۔ لڑکی جسے درمل پایا جائے وہ ہرگز نہ رہے۔ شہسوار عورت کو گھوڑے کی مانند ٹاپا گیا ہے۔ یعنی عورت کا تصور ”دوسرے“ کا ہے۔

— سید ادریس — کے جس شاعری میں محبت اور جذبات ہیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ عورت کی عظمت تھی۔

— سید ادریس — کے جس شاعری میں محبت اور جذبات ہیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ عورت کی عظمت تھی۔

۱۸۰۰ ق۔ م۔ اور ۱۸۰۹ ق۔ م۔ میں جب امراہوں نے تخت پر بٹھ کر کیا تو اس سے عورت کی حیثیت کو نقصان پہنچا اور عورتوں کے جیسے غائب ہو گئے۔ ان کے بھائے وہ مرد بہرہ دین گئے، جنہوں نے جنگوں اور کمپوں میں نمایاں کامیابی حاصل کی تھی۔ ۱۸۰۶ ق۔ م۔ میں پندرہ تراشی کاٹن اپنے عروج پر پہنچ گیا۔ اب جو جسے ترانے گئے ان میں سے ایسے جیسے بھی تھے کہ جن میں مردوں کو برہنہ دکھایا گیا تھا۔ مگر عورتوں کا اس طرح سے برہنہ نہیں دکھایا گیا۔ اس کی وجہ سے مرد کا جسم قلوب پر واضح ہو گیا۔ مگر عورت کا جسم چھپا ہوا رہا۔

ان شخصوں کی دوسری اہم خصوصیت یہ ہے کہ ان میں مرد متحرک ہیں جب کہ عورتیں سست اور غیر متحرک۔ یہ بجاں عورت وہم کی نظر کی گواہی دیتی ہے۔

۱۸۰۰ ق۔ م۔ سے ۱۸۰۳ ق۔ م۔ کا دور اس سے ہم ہے کیونکہ اس عہد میں بطور شہری ریاست کے، تخت پر عروج ہوتا ہے۔ انتہائی علمی، ادبی، ثقافتی اور سائنسی علوم میں ترقی کرتا ہے۔ جب کہ عہد میں عورتوں کے بارے میں معاشرے کے خیالات کا مطالعہ کیا جاتا ہے تو بہت سے دلچسپ مشاہدات سامنے آتے ہیں۔ خطاطی، نظریہ نظر سے دیکھا جائے تو چونکہ اس شعبہ میں مردوں کی کثرت ہوتے تھے اس لیے وہ عورتوں کو مردوں کے نقطہ نظر سے دیکھتے تھے۔ طب کی کتابوں میں عورتوں کی بیماریوں کا زیادہ ذکر ہے۔ مردوں کی بیماریوں کم ہیں۔ اس پر اس لیے زیادہ ذور دیا گیا کیونکہ یہی تعلقات سے ان کی صحت ٹھیک رہتی ہے۔ عورت اگر چہ بچہ تولید کرتی ہے مگر وہ اس کی حقدار نہیں کیونکہ یہ مرد کا بیج ہے جو وہ اپنے رحم میں رکھتی ہے۔

انتہائی معاشرہ چونکہ ذرا فنی تھا اس لیے وہاں ذہن کی قدر تھی۔ کوئی خاندان یہ نہیں چاہتا کہ زانیہ جائیداد اس سے نکل کر کسی دوسرے خاندان میں جائے۔ اس لیے اس کا وارث لڑکا ہوتا تھا۔ اگر لڑکا نہ ہو تو بھرتی کا لڑکا وارث ہوتا تھا۔

لڑکی کی شادی ۱۶ یا ۱۸ سال کی عمر میں کر دی جاتی تھی تاکہ وہ نور کوشہر کی عادت کے مطابق احوال لے۔ طوائفوں کا طبقہ بھی موجود تھا تاکہ مردان سے غلط انداز ہوں۔ کئی ریاست عورت کے لیے ہوتی تھیں۔ بیویاں جائیداد پیدا کرنے کے لیے۔ عورتوں کو بطور وارثہ رکھنے کا بھی رواج تھا۔ خراب لوگ اپنی لڑکیوں امراء کو معاہدے کے بعد دے دیا کرتے تھے۔ اس معاہدے کے دوران وہ ان کے علاوہ کسی اور سے بھی تعلقات نہیں رکھتی تھی۔ اس کے بچوں کو وارثت میں کوئی

حصہ نہیں ملتا تھا۔ وہ شہریت حاصل کر سکتے تھے۔ مگر شوہر کو بیوی کے اہل و عیال کے تعلقات کے ساتھ بہت جگہ ہے اس لیے نکل کا حق تھا۔ وہ تعلق رکھنے والے مرد سے تہہ نہ بھی غلب کر سکتا تھا۔ عورت بہت زیادہ سست ہے جو پر فروخت بھی کر سکتا تھا۔ اس پر شوہر یا بیوپ کے مدد وہ تخت پر بیٹھتی تھی۔ عورت میں چار سکتا تھا کیونکہ یہ حرم صرف خاندان کا نہیں بلکہ کیونٹی کا تھا۔

عورت کی قسم کے سیاسی حقوق نہیں تھے۔ سیدہ وارث دے سکتی تھی مشائسی میں شریک ہو سکتی تھی۔ یہ بیوی اور کنسل کی مہربان سکتی تھی۔

امراء کی عورتوں کے عام بچوں پر نام بھی نہیں لے جاتے تھے۔ یونانی سوزن قہیم ہی ڈیڈس کا کہنا ہے کہ کسی عورت کی حلقہ اس میں ہے کہ اس کا ذکر مردوں میں کم سے کم ہوا چاہے وہ تعریف میں ہو یا بدلتی میں۔

عورتوں کو ایسے نام دیے جاتے تھے کہ جن سے ان کی کوئی عقبہ ظاہر ہو جسے مسرت، امن، طہین اور خوشبو، عورتوں کے نام سے باہر تعلیم حاصل نہیں کر سکتی تھیں۔ عورت کی تعلیم کے بارے میں خاص تھا کہ عورت کو پڑھنا تاہم اکی ہے جیسے ساپ کو اور ہر لڑکے کو پڑھنا چاہیے۔ عورت گھر میں ہر انوکھ کر سکتی تھی اور کسی کے آنے پر گھر کا دروازہ کھولتی تھی۔ اسے بار بار گھر خریداری کرنے کی اجازت نہیں تھی۔ نہ ہی وہ شوہر کے ساتھ کسی محفل میں شریک ہوتی تھی۔ گھر میں عورتوں کے لیے علیحدہ حصہ ہوا کرتا تھا (رمان حات)۔

جس معاشرے میں بیویوں اور لڑکیوں پر بڑی ہو اور انہیں پردہ میں رکھا جائے وہاں طوائفیں اور داشتائیں آزاد ہوتی ہیں جو مردوں کے ساتھ محفلوں میں جاتی ہیں۔ ان کے دوق کی تسکین کرتی ہیں۔ مردان کی محفلوں میں خوش دھرم ہوتے ہیں۔ یہی صورت انتہائی تھی کہ جہاں شوہر کی حیثیت آزاد عورت کی تھی اور جو مرد کو جسمانی طور پر بھی لذت فراہم کرتی تھی اور ذہنی طاقت دے گی اسے سونگ دیتی تھی۔

نہیں اسی عہد میں اسپارٹا کا معاشرہ انتہائی عہد تھا۔ یہاں خاندان سے زیادہ ریاست اہم تھی۔ ایک۔ یہی ریاست تھی کہ جس کے دفاع کے لیے ضروری تھا کہ مرد صحت، مصداقت، درہ درنگ جوہوں۔ اس لیے لڑکوں کو ۷ سال کی عمر سے ۳۰ سال تک کیمپ میں رکھا جاتا تھا۔ اگر چہ وہ ۲۰ سال کی عمر میں شادی کر لیتا تھا مگر بیوی کے ساتھ ۳۰ سال کی عمر میں رہتا تھا۔ اس کے بعد

میں کھانا نہ گھر کے بجائے کھپ کے بیس میں کھاتا تھا۔ معاشرے میں اس نظام کی وجہ سے عمر میں باپ بیٹا اتھارہ گھنٹہ کی فاصلہ تھا۔ باپ کی یہ عمر سی سال ۱۵ رینج پر ۷۰ گھنٹہ تھا۔ اس تک بچہ ماں کے پاس رہتا تھا۔ بیس سال کی عمر میں جب باپ واپس آتا تو وہ کھپ میں رہتا تھا۔ بیٹے کی باپ اور بھائی دونوں سے دور ماں کے ساتھ رہتی تھیں، لڑکوں کے ساتھ ساتھ اسپرٹا میں لڑکیاں بھی مسکنی و ریش کرتی تھیں، وہ گھر سوان کرتیں رنڈ چلاتیں۔ دیکھیں میں حصہ لیتی تھیں۔ لڑکوں کے ساتھ رہنا ہو کر روز میں شریک ہوتی تھیں۔ اس کے علاوہ وہ بھی جوسوں میں چائے اور قہوے کرنے کی اجازت تھی۔ لہذا اسپرٹا کی عورت بہترین کھانا پکانے کے ساتھ ساتھ جسمانی طور پر بھی صحت مند ہوتی تھی۔

یہ رواج بھی تھا کہ بچی بھائی مل کر ایک بچی رکھتے تھے اور سب اس سے بچہ پیدا کرتے تھے۔ اگر شوہر بڑھا جاتا تو جو ان بچی سے تعلق کر کے بچہ پیدا کر لیتی تھی۔ معاشرہ کا مقصد تھا کہ بچے صحت مند ہوں۔ اس لیے بچی کو دھار دینے کی بھی رسم تھی۔ (بچوں کے لیے جائز و ناجائز کی شرط نہ تھی) عورت جائیداد کی بھی وارث ہوتی تھی۔ اس لیے جب شوہر کے مقابلہ میں عورت کی حیثیت کو دیکھا گیا تو وہ میر تقی میر کی طرح یہاں خاندان سے زیادہ وابستہ کامیاب تھا۔ خاندان کے درے کی اس کمزوری نے عورت کی بہت کو بڑھا دیا۔ جب کسی نے سہارا کی عورت سے یہ سوال کیا کہ وہ کیوں مردوں پر سادی ہیں تو اس کا جواب تھا "کیونکہ ہم انہیں پیدا کرتے ہیں۔"

تاریخ و تحقیق

پروفیسر ہانس

معاشرہ، عورت اور بہشتی زیور

جاگیردارانہ معاشرے میں عورت کی حیثیت ہمیشہ کلیتہً کی ہوتی ہے۔ یہاں اس کی آزادی، حقوق اور دے مرد کی عمری پر منحصر ہوتی ہے۔ اس معاشرے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ سب قدر کو فروغ دیا جائے جن کے ذریعے عورتوں کو سرزد کا تابع اور لڑکیاں بڑا کر رکھا جائے اور اس کی آزادی کے تمام راستے مسدود کر دیے جائیں۔

ہندوستان میں سہاگن معاشرہ دو طبقوں میں منقسم تھا۔ ایک شرافت یا مہاراجا طبقہ اور دوسرے اجلاف اور عام گا۔ طبقہ اعلیٰ نے جو ثقافتی و اخلاقی اقدار تخلیق کیں مثلاً ناموس، عزت، صحت و عزت اور شرم دیا اور خاندان کا تصویر یہ تمام سے مختلف تھا۔ اسراہ کا طبقہ اپنی عظمت، شان و شوکت اور آؤن باپ کے لیے بھرتی جتنی ساز و سامان ہیرے جواہرات، ہاتھی، گھوڑے اور عورت و کتا تھا۔ عمدہ کھانا کھاتا اور ٹیکس لباس استعمال کرتا تھا وہ اسی طرح اپنے حرم میں خواہصورت جو ریش منج کرتا تھا جیسے دوسری قیمتی اشیاء اور جس طرح وہ قیمتی اشیاء کی حفاظت کرتا تھا اسی طرح بیگم کی خدمت کی عمر سے بچی کو بچی دو ماں کی محل میں تعمیر کرتا تھا اور پھر بچہ پڑتی و چھڑا کر رکھتا تھا۔ اپنا پرچہ دے کی صحت یا نہتی ہوتی تھی تاکہ دوسری کی اب پانظر۔ پڑے۔ اس معاشرے میں عورت و خاں کی اقدار پیدا نہیں۔ ان جاگیردارانہ قدر سے حاشا سے متعلق ہونے کی متاثر کی، تیس عورت کی کفایت اتنا اندر کوئیں چائیں کی بد معاشرے میں یہ بچہ جو ریش منج تھیں کہ وہ گھر کی چار دیواری سے نکل کر عوامی معاشرے میں دھڑکیں۔ یہ عورت گھر کے کام کے علاوہ مویشیوں کی دیکھ بھال کرنے اور کھیتوں میں

کام کرنے پر مجبور تھی۔ شہروں میں غریب خاندان کی عورتیں اعلیٰ طبقے کو لمانہ نہیں دہا سکیں اور مغلانیوں فراہم کرتی تھیں۔ یہ جاگیردارانہ اقدار یکساں طبقے تک محدود رہیں جو سب کی، معاشی اور سماجی لحاظ سے معاشرے کا اعلیٰ طبقہ تھا۔

مسلموں کا یہ جاگیردار معاشرہ سلاطین و اعلیٰ اور مغلیہ خاندان کی حکومتوں تک منظم رہا۔ معاشرے میں عورت کا مقام محض ایک شے کا تھا جو مرد کی ملکیت، اگر بیٹی، ارادی، خورجی اور تا وقتہ کر بیٹی تھی۔ اس کی زندگی حسرت پر پروں پر جمی تھی، اس میں شہ کی حیثیت سے اس کی دینے والی ہوتی تھی کہ ماں، باپ کی خدمت کرے۔ یوں کی حیثیت سے شوہر کی لڑائی، برادر ہے اور ماں کی حیثیت سے اوراد کی پرورش کرے۔ ان تینوں حیثیتوں میں اس کی حریمت، جنت، بدعت اور قناعتیں شتم ہو جاتی تھیں۔ سے یہ موقع ممکن ملتا تھا کہ وہ بحیثیت عورت زندگی سے لطف اٹھو ہو سکے۔

-۱-

اس جاگیردار معاشرے میں مرد کو ایک اعلیٰ رافع مقام حاصل تھا اور اس کی خواہش تھی کہ ان اقدار میں کوئی تبدیلی نہ آئے اور ایسی صورت پیدا نہ ہو کہ عورت ان رجحانوں کو توڑ کر آزاد ہو جائے۔ عیس کی وقت کی جدیدی کے ساتھ ساتھ ان اقدار میں تبدیلی آنا شروع ہوئی، مغربی خیارات و افکار اور جہل و اندھن نے آہستہ آہستہ جاگیردارانہ معاشرے کو حاشا کرنا شروع کیا۔ ان تبدیلیوں نے قدیم اقدار کے حامیوں کو چونکا دیا۔ یہ حضرات معاشرے میں کسی قسم کی تبدیلی کے مخالف تھے، اور خصوصیت کے ساتھ عورت کے مخصوص کئے ہوئے مقام کو بدلنے پر قطعی تیار نہیں تھے۔

اس طبقے کی خاندانی ایک بوسے عالم رہیں مولانا اشرف علی تھانوی (۱۸۶۸ء-۱۹۴۳ء) نے اپنی اور صاحب کتب کے ذریعے عموداً اور ”بہشتی زہر“ لکھ کر خصوصاً کی۔ مولانا کا دور جدید اور قدیم اقدار کے تصادم کا زمانہ تھا جب کہ قدیم نظام زندگی اور اس کی اقدار، اپنی قسودگی اور عقلی کے ”خوبی مراحل میں داخل ہو کر دم توڑ رہی تھیں اور جدید رجحانات و افکار کی کوہلیں پھوٹنا شروع ہوئی تھیں۔ مولانا نے آخری بار اس گرجے ہوئے جاگیردارانہ نظام کو مذہبی و اخلاقی سہارے سے

دو کٹے کی کوشش کی اور یہ کوشش بھی کی کہ عورت کو مذہبی سہارا اس کے سہارے کی مقام پر رکھا جائے جو جاگیردارانہ نظام نے اس کے لیے مخصوص کر رکھا تھا۔

عورتوں کی تعلیم و تربیت کے لیے مولانا نے ”بہشتی زہر“ سے دس حصے کیسے تاکہ ان کے مطالبے کے بعد عورت ”سہانی سے مرد کی انصافیت کو تسلیم کرے اور اپنی غلامی پر نہ صرف قانع ہو بلکہ استعانت و فخر سمجھے اس کتاب میں عورت کو اچھی غلام بننے کی ساری ترکیبیں درگزر تھیں کئے ہیں۔ مذہبی مسائل سے بے کر کھانا پکانے اور امور خانہ دہی کے تمام طریقوں کی انھیں ہے جو مرد کو خوش و خرم رکھ سکے۔ اس لیے یہ دستور ہو گیا کہ ”بہشتی زہر“ کی یہ دسوں جلدیں (جو ایک جلد میں ہوتی ہیں) ہمیں میں لڑکی کو دی جاتی ہیں تاکہ وہ اسے پڑھ کر ذاتی طور پر غلامی کے لیے تیار رہے۔ یہاں اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ مولانا نے ایک بہترین عورت کا جو تصور ”بہشتی زہر“ میں پیش کیا ہے اس کا تجزیہ کیا جائے اور ان کے خیالات کا جاگیردارانہ معاشرے کے جس منظر میں پیدا ہونے والی ثقافت اور اقدار کی روشنی میں جائزہ لیا جائے۔

یسویں صدی کے آخر اور بیسویں صدی کے ابتدا میں جدید مغربی تعلیمیتوں بوجھل تھی اور ہمارے مسلمان قوم پر یہ قدیم خصوصیات کو تسلیم کرنے کے باوجود تعلیم نسواں کے شدید مخالف تھے۔ وہ مردوں کے لیے جو جدید مغربی تعلیم ضروری سمجھتے تھے مگر یہی تعلیم اس کے نزدیک عورتوں کے لیے انتہائی خطرناک تھی۔ سرسید احمد خاں نے صاف کر دی سے کام لیتے ہوئے اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا کہ وہ تعلیم نسواں کے اس لیے قائل ہیں کیونکہ جہاں عورت اپنے حقوق سے ناواقف ہوتی ہے اور اسی لیے مطمئن رہتی ہے اگر وہ تعلیم یافتہ ہو کر اپنے حقوق سے واقف ہو گئی تو اس کی زندگی برباد ہو جائے گی۔ سرسید نے لڑکیوں کے اسکول کھولنے کی بھی مخالفت کی اور اس بات پر زور دیا کہ صرف مذہبی کتابیں پڑھیں اور جدید زمانے کی مرہبہ کتابیں جو تباہ کن ہیں ان سے دور ہیں۔

مولانا اشرف علی تھانوی عورتوں کے لیے صرف مذہبی تعلیم کو ضروری سمجھتے ہیں کیونکہ یہ علم عورتیں کمزور و کمزور میں تھیں کہ عورتوں اور مذاہب ان میں ایمان اور اسلام کی محبت پیدا ہوتی ہے۔ یہ اپنی جماعت میں جو چاہتی ہیں یک دیتی ہیں اس لیے ان کے ایمان اور مذہب کو بچانے کے لیے ان کے لیے دین کا علم انتہائی ضروری ہے۔ سرسید نے دینی تعلیم کے علاوہ عورتوں کے لیے دوسری ہر قسم

یہ تمام کے تمام ہیں، اسے پھر دیکھو، اسے اپنے یہاں لکھو، اسے پھر دیکھو۔

[illegible]

مواہر جوں کے سبب تعلیم پر مائل طور سے رو رہتے ہیں تاکہ اس کے ذریعے سے ایک خاص قسم کا بہن بنایا جاسکے۔ اس لیے وہ "قرآن تریف"، "کتاب دینیہ"، "مذہبی زیور" کے دس حصوں کو کافی سمجھتے تھے۔ "مذہبی زیور" کے سلسلے میں وہ حریر و وضاحت کرتے ہیں کہ اس میں شرمناک مسائل کو یا تو کسی عورت سے سمجھا جائے، نکال لگا کر چھوڑ دیا جائے اور سمجھ دار ہونے کے بعد پڑھا جائے یہاں تک صرف پڑھنے کی استعداد کا ذکر ہے۔ جب لکھنے کا سواں آتا ہے تو مواہر اس بات پر رو رہتے ہیں کہ "عورت کی طبیعت ٹکڑے باری ہے" اور تو لکھنا سکھانے میں کوئی حرج نہیں رہتا لیکن سکھانا چاہیے۔ "پھر لکھنا سیکھا دیکھی جائے تو صرف اس قدر کہ وہ ضروری خط اور گھر کا حساب کتاب لکھ سکے جس اس سے زیادہ ضرورت نہیں۔"

مورتوں کو کون سی اور کس قسم کی کتابیں پڑھنا چاہئیں اس پہلو پر مولانا صاحب طبع سے بہت زیادہ رد ہے۔ جہاں متنازعہ مشق کی کتابیں ہیں، یہ وہ حاکم ہیں۔ عرب اور اقصیوں کے مجموعے اور خاص کر موجودہ دور کے نادر عورتوں کی فحش کتابیں پڑھنا چاہئیں بلکہ ان کا تحریر نامہ پڑھنا چاہئیں اس لیے کہ کوئی نہیں لڑکیوں کے پاس دیکھ کر تو فوراً جلوہ دینا چاہیے۔⁹ مولانا صاحب کے خیال میں اس قدر محتاط کے قائل ہیں کہ دین کی ہر قسم کی کتابوں کو بھی عورتوں کے لیے نقصان دہ سمجھتے ہیں کیونکہ اکثر دین کی کتابوں میں بہت سی غلو یا غیباں شامل ہوتی ہیں۔ جس کا

— 62 —

[illegible][illegible]

F. —

جاگیردارانہ معاشرے میں مرد کی فضیلت کی ایک ہی رو یہ بھی ہوتی ہے کہ وہ خاتون کی محاش کا رستے دار ہوتا ہے، ورنہ عورت محاشی طور پر اس کی محتاج ہوتی ہے۔ اس محتاجی کے سبب اس میں اس

قدر جرات پیدا نہیں ہوتی کہ وہ خود کو مرد کی غلامی سے آزاد کرانے کے لئے مرد کی انفعیت کو چیلنج کر سکے۔ مولانا اس ضمن میں کہتے ہیں کہ "کشمکش معاش صرف مردوں کے لیے ضروری ہے اور بیباں کا فرض ہے کہ عورتوں کا تان بھنگ پورا کرے"۔ تان بھنگ کی وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ "روٹی کپڑا مرد کے ذمہ واجب ہے جبکہ گھر کا کام کاج کرنا عورت پر واجب ہے۔" مکمل، شکستہ، سبکی، صابن، دھوا اور نہانے کے پانی کا انتظام مرد کے ذمہ ہے مگر مرد صابن، پان اور تبا کو اس کے اتنے نہیں دھوئی کی تنخواہ مرد کے ذمہ نہیں، اور عورت کو چاہیے کہ کپڑے اپنے ہاتھ سے دھوئے اگر مرد اس کے لیے پیسہ دے تو بیباں کا حسان ہے۔"

— F

چاہیے کہ اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر کبھی نہ جائے رشتہ داروں کے یہاں اور نہ بیوروں کے پاس۔

ہاں ماہوں کا مقصد یہ ہے کہ جو کچھ قرار دیتے ہیں اس سلسلہ میں انہوں نے عزت کے لیے نہیں عزت پر ہیں بلکہ مثلاً شوگر اور اس کا تھک مکہ ہے، ہوا اس کی نگہ کے شمارے پر چلے

۱۔ اگر کسی کو اس وقت ہاتھ پاؤں کھڑی رہتے ہوئے اس کے جسم کی بھیگی ٹھیکل کرو۔ کیونکہ اس میں
موت نہ آتی ہے۔ اگر وہ ان کو رات خانے تو عورت بھی دن کو رات کہنے لگے، شوہر کو بھیگی بھی بر
صورتیں کھتا چاہے کیونکہ اس سے دلی اور آخرت دونوں خوب ہوتی ہیں۔ شوہر سے بھی ڈانٹ خرچ
کرنے۔ چاہیے اور نہ ہی اس سے کوئی سربانش کرنی چاہیے۔ اگر عورت کی کوئی خواہش ہو دل نہ ہو
تو خاموش رہنا چاہیے اور اس بارے میں کسی سے ایک لفظ بھی نہ کہے۔ کہی کسی بات پر غصہ نہیں کرنی
چاہیے۔ اگر شوہر سے کوئی تکلیف بھی ہو تو اس پر بھی خوشی ظاہر کرنی چاہیے۔ اگر شوہر کو بھی کوئی چیز
دے چاہے وہ سے پتہ نہ لگے یا نہ لگے لیکن اس پر خوشی کا خیال رکھنا چاہیے۔ اگر شوہر کو غصہ
آجائے تو اسکی بات نہیں کرنی چاہیے کہ اور غصہ آئے اس کے خرچ کو دیکھ کہ بات کرنی چاہیے اگر
وہ ایسی دل لگی چاہتا ہے تو اسے خوش کرنے کی باتیں کرو۔ اگر وہ بیمار یا ہو تو طرز معذرت رکھے
ہاتھ جوڑ کر سے راضی کہ وہ شوہر کو بھیگی اپنے برابر مدت سمجھو وہ اس سے کسی قسم کی خدمت مسکوا کر
وہ بھی مرد ہونے لگے تو سے یہی امت کرنے اور ٹھٹھے بیٹھے بات چیت، غرض کہ ہر بات میں رعب
اور تیز کا خیال رکھنا انتہائی ضروری ہے۔

مگر شوہر چاہے اس سے آئے تو اس کا مزاج بوجھتا ہے اس کے ہاتھ پاؤں دوانا چاہتیں اور فوراً اس کے لیے کھانے کا انتظام کرنا چاہیے اگر گری کا موسم ہو تو جھکالے کر اس پر بھینسا اور است آرام دینا، عورت کے فرائض میں سے ہے گھر کے معاملات میں سونا ناچاہت ہے دیتے ہیں کہ بیوی نہ یہ حق نہیں کہ میرا سے نحوہ کا حساب کتاب پوچھے اور سب سے کہ تخفوا تو بہت ہے، انی بیوی سے ہو یہ بہت خرچ کر ڈال اور کس چیز میں تاجیرہ انصاف دیکھو۔ کی طرح شوہر کی ہر چیز پسند سے تصور ہے کا آفر، سزا دیکھ اور دوسری چیز میں ماف تھری ہوں چاہیں۔ مگر شوہر کی دوسری عورت سے ملتا ہے تو اسے تہائی میں کچھ ڈھنگی بار نہائے تو صبر کر کے بیٹھ جاؤ گویا کس سے اس کا ذکر کرے گا ہے رُوحیت کر وہ اس ضمن میں سونا نہا سکتے ہیں کہ مردوں کو کھانے میں عریاضہ ہے، ر دکن سے ہر گز پر نہیں ہو سکتے ان کے دم گم لے کی بہت اسباب سبب ختم ہر تابعہ اعلیٰ ہے چاہے اس مسئلے میں سونا نا ایک عورت کا ذکر کرتے ہیں۔ "الکھنؤ میں ایک بیوی کے میاں بد چلن میں ر رت باہر بارہی عورت کے پاس رہتے ہیں، گھر میں بالکل نہیں آتے بلکہ قریب کر کے کھانا پھر باہر منگاتے ہیں وہ سب چاہے ان میں کب باری جو میرا کہتے ہیں ان کی

- ۷ ایضاً حصہ چہارم ص ۸۵۔
- ۸ ایضاً ص ۳۸۔
- ۹ ایضاً حصہ سوم ص ۵۹۔
- ۱۰ ایضاً: حصہ دوم ص ۴۷۔
- ۱۱ ایضاً ص ۴۸، ۴۷۔
- ۱۲ ایضاً: حصہ اول ص ۸۳۔
- ۱۳ ایضاً: حصہ چہارم ص ۳۹۔
- ۱۴ ایضاً ص ۳۳۔
- ۱۵ ایضاً ص ۲۳۔
- ۱۶ ایضاً ص ۳۳، ۳۷۔
- ۱۷ ایضاً ص ۳۷۔
- ۱۸ ایضاً حصہ دوم ص ۵۷۔
- ۱۹ ایضاً حصہ سوم ص ۵۸۔
- ۲۰ ایضاً حصہ پنجم ص ۵۳۔
- ۲۱ ایضاً حصہ چہارم ص ۳۹۔
- ۲۲ ایضاً: حصہ پنجم ص ۵۰۔
- ۲۳ ایضاً ص ۱۳، ۱۷۔

”الہیہ تاریخ“ ص ۱۷، پروردگار کی عبادت ۱۹۹۳ء

سماجی و ثقافتی رسم و رواج اور پنجابی عورت

موجودہ مطالعہ اس بات کی کوشش ہے کہ نقاب کی عورت کے بارے میں اور اس سے متعلق جو تاہلی، مذہبی اور ثقافتی روایات و رسومات ہیں، ان کا ایک تجزیہ کیا جائے۔ اس مقالہ کے پہلے حصہ میں تقریباً طور پر اس مباحثہ کو دیا گیا ہے کہ جو مذہبی، سماجی اور ثقافتی اثرات سے متعلق رکھتے ہیں، وہ کیا بتا رہے ہیں کہ ان کا معاشرہ کی زندگی میں کیا اثر ہوتا ہے۔ دوسرے حصہ میں برطانوی دور کے اس لٹریچر کا تجزیہ کیا گیا ہے کہ جو ثقافتی و سماجی اور مذہبی رسم و رواج کے بارے میں ہے کہ جو انہوں نے قیلموں، ذوقوں اور کہیں پر تحقیق کے بعد پلے سرکاری دستاویزات میں دیا ہے۔ اس سلسلہ میں یہ بھی دیکھنے کی کوشش کی گئی ہے کہ ان رسم و رواج کا لوگوں کی عادات و اطوار اور رویوں پر کیا اثر ہوتا ہے۔ تیسرے حصہ میں اس لٹریچر کی نشاندہی کی گئی ہے کہ وہ اس موضوع پر ۱۹۴۷ء کے بعد شائع ہوا ہے۔ لیکن اس بات کا ذکر ضروری ہے کہ اب تک اس موضوع پر گہرا مطالعہ نہیں ہوا ہے اور اس کی ابھی بھی ضرورت ہے۔

تعارف

یہ سب سے پہلے کہ ہم مذہبی، سماجی اور ثقافتی رسم و رواج پر بات کریں اور یہ دیکھیں کہ ان کا اثر عورت پر کیا ہے، اور کس طرح ان کے ذریعہ اس کے سماجی مرتبہ کا تعین کیا جاتا ہے، ضروری ہے کہ ہم رسم و رواج کی ابتدا اور ان کی ہمیت کے بارے میں متعارف ہوں۔ ہر کس نے ایک جگہ لکھا ہے کہ یہ نہ صرف مذہب کے ساتھ ہی نہی تاریخ کو گہر میں دیکھتا ہے۔ اس نظام میں جب مرد کو

تجربہ کیا گیا کہ ایک سے زیادہ شادیوں کے نتیجے میں فطرت کے اصولوں پر نہیں چلی جگہ
 حقائق و حقیقتیں عموماً پیش کی جاتی ہیں۔ یہ سب سے زیادہ بڑے کے قائل ہوتے ہیں
 سمجھ سکتی ہیں۔ اور میں مساوات اور برابری کی روایت اختیار کرتا ہوں۔

یہ شاعر شری کی سادہ سی تحریف یہ کہ جاسکتی ہے کہ خاندان کی عورتوں پر جن میں جیوی یا
 جیویاں، لڑکے اور لڑکیاں شامل ہیں، اس پر باپ کی حکمرانی یا اس کا تسلط ہو۔ (Mama
 Mies) اس تحریف سے دور گئے ہیں کہ مرد کو مرد سے نکال کر سے معشرے سے
 ہر کسی شعبہ میں لاتی ہے کہ جہاں مرد ہیئت حکمران، مرد برہ خاندان اور دوسرے اداروں میں
 اپنا راجہ کی حیثیت سے کام کرتا ہے۔ اس کا استدلال یہ ہے کہ پدریت عام یا عامیہ معنوں
 حاصل لوگوں اور خاص حالات میں ارتقاء پر مبنی ہے۔ اس کے مضبوط ہونے اور منظم ہونے کی
 وجہ جنگ و جدوجہد اور فوجیات ہیں۔

چارٹ معاشرے کے ارتقاء کے بارے میں دو نقطہ نظر ہیں۔ ایک مائکسی اور دوسرا
 فیمینسٹ (Feminist)۔ نیٹکوزے اس کی شادی کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ معاشرے میں
 پیداوار کی قدرزدار اور مرد کی اس پر ابھار داری نے مرد اور عورت کے تعلقات کو تبدیل کیا۔ لڑکی
 جانیوا سے عورت کو مادی سماجی حیثیت سے بدل کر بہت دور لے گیا۔ عیناتی انتھکا
 اور جس خواہشات سے مل کر صاحب جائیداد لوگوں کی طاقت میں صاف ہو۔ نیٹکوزے تاریخ کو وہ
 حصوں میں تقسیم کرتا ہے مائل تاریخ کا عہد اور تارنیا کا عہد کہ جس میں انسانی تہذیب و تمدن
 ارتقاء پائی، جس میں لڑکی جانیوا کا ادارہ جو دوش آیا اور اس کے ساتھ ہی پدریت نظام ابھر۔ نیٹکوزے
 نے اس سوال کا جواب نہیں دیا کہ انسانی نے آخر کس طرح، قتل تاریخ سے سماجی تاریخ میں سے
 کے لیے سفر کیا۔ اس کے ہاں یہ کی بھی ہے کہ اس سے انسانی ابتدائی معاشروں کا تجزیہ یہ ہے۔
 معیار پر نہیں کیا۔ اس کا استدلال ہے کہ انسانی تہذیب کے آنے تک فطرت کے ارتقاء کے قوانین
 عمل پیرے رہے، یہاں تک کہ انسانی معاشرہ پدریت نظام میں منظم ہوا۔

فیمینسٹ نقطہ نظر سے پدریت معاشرہ کا تاریخی پس منظر کاغذ ہے۔ پدریت معاشرہ میں مرد
 اور عورت کے تعلقات میں اس وقت تبدیلی آئی کہ جب سے بچہ کو جناس کی پرورش کی
 چکی پیدا کی اور اس کی پرورش کرنا ایک انسانی عمل ہے کہ جس میں فرد اپنے سماجی عمل سے پروری

تجربہ کیا گیا کہ ایک سے زیادہ شادیوں کے نتیجے میں فطرت کے اصولوں پر نہیں چلی جگہ
 حقائق و حقیقتیں عموماً پیش کی جاتی ہیں۔ یہ سب سے زیادہ بڑے کے قائل ہوتے ہیں
 سمجھ سکتی ہیں۔ اور میں مساوات اور برابری کی روایت اختیار کرتا ہوں۔

یہ شاعر شری کی سادہ سی تحریف یہ کہ جاسکتی ہے کہ خاندان کی عورتوں پر جن میں جیوی یا
 جیویاں، لڑکے اور لڑکیاں شامل ہیں، اس پر باپ کی حکمرانی یا اس کا تسلط ہو۔ (Mama
 Mies) اس تحریف سے دور گئے ہیں کہ مرد کو مرد سے نکال کر سے معشرے سے
 ہر کسی شعبہ میں لاتی ہے کہ جہاں مرد ہیئت حکمران، مرد برہ خاندان اور دوسرے اداروں میں
 اپنا راجہ کی حیثیت سے کام کرتا ہے۔ اس کا استدلال یہ ہے کہ پدریت عام یا عامیہ معنوں
 حاصل لوگوں اور خاص حالات میں ارتقاء پر مبنی ہے۔ اس کے مضبوط ہونے اور منظم ہونے کی
 وجہ جنگ و جدوجہد اور فوجیات ہیں۔

چارٹ معاشرے کے ارتقاء کے بارے میں دو نقطہ نظر ہیں۔ ایک مائکسی اور دوسرا
 فیمینسٹ (Feminist)۔ نیٹکوزے اس کی شادی کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ معاشرے میں
 پیداوار کی قدرزدار اور مرد کی اس پر ابھار داری نے مرد اور عورت کے تعلقات کو تبدیل کیا۔ لڑکی
 جانیوا سے عورت کو مادی سماجی حیثیت سے بدل کر بہت دور لے گیا۔ عیناتی انتھکا
 اور جس خواہشات سے مل کر صاحب جائیداد لوگوں کی طاقت میں صاف ہو۔ نیٹکوزے تاریخ کو وہ
 حصوں میں تقسیم کرتا ہے مائل تاریخ کا عہد اور تارنیا کا عہد کہ جس میں انسانی تہذیب و تمدن
 ارتقاء پائی، جس میں لڑکی جانیوا کا ادارہ جو دوش آیا اور اس کے ساتھ ہی پدریت نظام ابھر۔ نیٹکوزے
 نے اس سوال کا جواب نہیں دیا کہ انسانی نے آخر کس طرح، قتل تاریخ سے سماجی تاریخ میں سے
 کے لیے سفر کیا۔ اس کے ہاں یہ کی بھی ہے کہ اس سے انسانی ابتدائی معاشروں کا تجزیہ یہ ہے۔
 معیار پر نہیں کیا۔ اس کا استدلال ہے کہ انسانی تہذیب کے آنے تک فطرت کے ارتقاء کے قوانین
 عمل پیرے رہے، یہاں تک کہ انسانی معاشرہ پدریت نظام میں منظم ہوا۔

تھی۔ اس سے عورت اس کے لیے عزت کی علامت بن گئی کہ جسے اہمیت اور پاک پاور رکھ کر اس کے لیے اولاد پیدا کرتا ہے۔ دوسری طرف شادی روادی حضرات نے جو بھی سن چاہے کوئی اسے پسند کرے یا نہ کرے، شادی کے اس اور بے گناہ پوتاوں، ریاست، راجہ، راجہ کی روایت سے خدائی جو اہل گیا۔ لہذا شادی کے ساتھ ساتھ معاشرے میں عورت کی عزت بھی اور دوسری عورتوں سے چلتی تعلقات رکھتا بھی عام ہو گیا۔ معاشرے میں عورت کے وجود سے مرد کو فائدہ ہوتا ہے۔ اگرچہ ایسا اس کے کوئی فائدہ نہیں ہے تاہم شادی سے ۱۰ امر کی عورتوں سے چلتی تعلقات رکھتا ہے۔ رسمی کہ جسے مذہبی پابندیوں اور اخلاقی تہیوں کے باوجود قسم نہیں کیا جا سکتا۔

شادی کے ادارے کو خاندان نے اپنے مفادات کے لیے بھی بڑی طرح استعمال کیا۔ کم دو متحابہ تہا کی خاندان بڑیوں کی شادی کر کے ان کے ذریعہ سے اپنے تعلقات ٹھیک رکھنا چاہتے تھے۔ اس سلسلہ میں عورتوں کو اس کی مرضی کے خلاف شادی کے بندھنوں میں پاندھنا درست سمجھا جاتا تھا۔ عورت کی قربانی بھی اس کا سماجی درجہ اور اس کی عزت میں کمی کا باعث بنی۔ اور وہ ان طرح سے زیادہ مست رہی۔ تاریخ میں سب سے پہلی شادی کے شادی کے خاندان کی شادیوں کو باہمی حدود کی خاطر دیکھ کر یہاں کو بھلا بھی ہے۔ یا جانتا تھا۔ مثلاً برن، بکن، مار، کو مجبور شادیوں سے شادی کرنی پڑی جس سے کہ قدح کا احساس نہ ہو سکا تھا۔ باہر اس میں سے تنگ آچکا تھا جس سے ایک خاص مشاعرہ میں یہ طے پایا کہ ہر روز وہ اس کا موقع ملتا ہے اور اس کے عرصے میں اس کی بہن سے شادی کرنی چاہئے۔ آسٹریا کی شہزادی میری (Mary) (Louis) نے اپنی مرضی کے خلاف بھینس سے اس سے شادی کی کہ اس کے باپ کی سلطنت محفوظ رہے۔ یہ بھی دستور تھا کہ شہسخت کھانے کے بعد بائیں اہلی بڑیوں کو بھلا بھینس کے حوالے کر دیتے تھے۔ بیکس بائیں میں یہ دوا جاتا تھا کہ بھینس کو بھینس کے ساتھ رت گزاریے کو کہا کرتا تھا۔

یہ رسم عورت کی خصوصیت کی کہ سنہ سے بچے کو مختلف حالات میں لگاتی ہے۔ عورتوں کے ساتھ ساتھ تبدیل کر رہا۔ اس کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ اس نے "لنگی" اور "چمک" "گھر" اور "گھر" سے باہر کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ اس میں چمک بچوں کا تعلق کر رہا ہے

جب کہ عورت کے لیے گھر اس کی رہا ہے۔ یہی وہ تقسیم ہے کہ جس نے عورت کے مرتبہ اور حیثیت پر سب سے زیادہ اثر ڈالا ہے۔ اس کے ذریعہ عورت کے نام بھی جدا جدا ہو گئے۔ اور یہ واضح کیا گیا کہ عورت دوسری طرف جسمانی طور پر بلکہ جذباتی طور پر بھی مختلف ہیں۔ گھر میں پابند ہونے کے بعد عورت کے لیے یہ بھی رہی ہو گیا کہ وہ غیر مردوں سے کوئی سماجی تعلقات نہ رکھے۔ اگر وہ یہ پابندیوں کو توڑے مائیں کی طرف دیکھ کر شادی میں تھکا تو مردوں کو عورتوں کے سے دے کا اختیار رکھتا ہے۔ لہذا پھر معاشرہ کو یہ ایسا تسلیم تھا کہ عورتوں سے تمام کام وہاں میں طے کرتا تھا یہ وہ عورتوں کو سکول، یونیورسٹی، چرچ، مسجد، بازار کے ساتھ دیکھ کر یہاں کھیتوں، دھڑوں اور فوج میں جگہ خرابی دیکھ کر سکتا تھا۔

یہ رسم عورتوں کی عزت اور اس کے ذریعہ عورت کو اپنی طور پر اس ہمت پر تیار کر دیتا تھا کہ وہ معاشرہ کی تقسیم میں جنسی حقوق کو نظر میں رکھ کر اس کے لئے اس کی جرات نہ کرے۔ اس نظام کو مرد نے اپنے لیے یہ نظام بنایا۔ اگر غیر شدہ، دوسرے طریقوں کو مستحسن کرتا ہے۔ لیکن ماریا میر پوراناہ معاشرے کے تناظر میں لکھی ہے کہ پوراناہ معاشرہ ہاری موجودہ جہد کے ماضی سے ملتا ہے اور اس میں یہ مہم دوڑتا ہے کہ ہمارا مستقبل روشن ہے۔ اگر پوراناہ معاشرہ ایک خاص ماضی میں پیدا ہوا تو اسے خالص حالات کے تحت ختم بھی ہونا چاہئے۔

سماجی اور ثقافتی رسم و رواج کا ارتقاء انسانی برادریوں اور تہذیبوں میں ان کے حقوق و عادات، طریقہ زندگی، تمدن اور ماحول کے مطابق ہوتا ہے اور اس رسم و رواج کے بندھنوں میں وہ اپنی ہم آہنگی اور اتحاد کو برقرار رکھتے ہیں۔ ان رسم و رواج کا تعلق سماجی رواج، معاشرتی تعلقات، اور جنسی تفریق پر ہوتا ہے۔ یہ رسم و رواج ایک نسل دوسری نسل کو منتقل کرتی رہتی ہے جس کی وجہ سے ماضی اور حال کے درمیان تسلسل قائم رہتا ہے۔

سماجی رسم و رواج کا تعلق دنیاوی معاملات سے ہوتا ہے، ان کی بنیاد پر بھی معاشرہ ہی اخلاقی اقدار کا تحفظ کرتا ہے۔ اس میں سے کچھ رسومات معاشرہ میں طبقہ کی تقسیم کو اخلاقی رنگ دے کر اعلیٰ و ادنیٰ کے فرق کو قائم رکھتی ہیں۔ خاص طور سے مردوں کی فوجیت کو قائم رکھنے میں ان کا عملی کردار ہوتا ہے۔

خاص بات یہ ہے کہ سماجی و ثقافتی رسم و رواج، اپنی قوانین کے مقابلہ میں لوگوں پر زیادہ اثر

سرمیوں میں سے پانچ طرح سے شریک کیا جاتا ہے۔ پہلے سے مرموزہ راجہ اس طرح مرموزہ کا کم حصہ نہ جاتا ہے۔ دوسری طرح کے ساتھ اس کے، تیس میں حکومت اوجھلے ہیں۔ چوتھے راجہ کی جیہاں باغی میں ہوتی ہیں اس لیے ان کا اقتدار مت ہی ان کے مقدس ہونے کا جوڑ ہوتا ہے۔ اس سے ان کے دیاں میں تہذیبی کہ جرات تصور کیا جاتا ہے۔ دوسرے جہاں تاج کے چوکھ یہ ہے۔ جہاں کے شہزادے تاج پہنے ہیں اور ماری کی آواز پر کھلی ہوئی ہیں اس لیے یہ زندگی کا حصہ ہیں۔ ان کے ہاتھ کے ساتھ یہ ہے کہ اس تسلسلہ سے وہ تاج پہنے۔ جو کہ معاشرتی زندگی میں جاری ہے اور اس کے ساتھ ہی شناخت کی تمام علامتوں کو مٹا دیا جائے۔ یہ راجہ خوف اور تہذیب ہوتا ہے کہ جو لوگوں کو روایت سے جوڑے رہتا ہے۔ شیوں پہ بھاتا ہے کہ یہ رسومات اور رواج ان کی زندگیوں کی منصوبہ بندی کرتی ہیں۔ ان کی روزمرہ کے معاملات میں راجہ کی کرتی ہیں۔ اس لیے ان کی جگہ کے بے جدوجہد کرتی چاہیے۔ خاص طور سے دور رسومات کے ذہن کا تعلق پیدا ہوا، مثلاً ہندوئی سے ہوتا ہے ان کو تہذیب کی طرح مشکل ہوتا ہے کیونکہ یہ معاشرہ کی اجتماعی ذہنیت میں جڑ پکڑے ہوئے ہیں۔

اسلام کی روح کو ہندوؤں کی رسومات اختیار کر کے ناسخ کر دیا۔

یہ رسم و رواج چونکہ ہندوستان میں بھی پچھلے نظام کے تحت ارتقا پذیر ہوئے، اس لیے یہ عورتوں کے لیے ترقی کرنے اور سکون کے برعکس تھے۔ اس دکان کی وجہ سے وہ معاشرہ میں مزید رنج و غم کے قابل بن گئیں۔ لیکن ہندوستان میں مسلمان حکمرانوں نے ایسے ہی امور مشکل جن کو وہ شریعت کے مطابق حکومت کریں، اس لیے ان کا طریقہ حکومت ایک لحاظ سے سکون تھا۔ ان کی کوشش ہوتی تھی کہ ریاست اور اس کی پالیسیوں میں مذہب کو دخل دینے کا موقع نہ ملے۔ اس وجہ سے مقامی تہاں، ذات اور برادریوں کے ان عورتوں کے مسئلہ میں ان کا جو دینی طریقہ عمل تھا، انہوں نے جاری رکھا۔ ریاست یا حکومت کی جانب سے یہ کوئی قدم نہیں اٹھایا تھا کہ جس سے عورتوں کا سماجی مرتبہ بہتر ہو یا ان کی زیادہ حقوق مل سکیں۔

ہندو برصغیر میں اس باب توجہ دی گئی، ایک طرف ہندوؤں، مسلمانوں میں ایک صدیقی تحریکیں شروع ہو گئیں کہ جنہوں نے عورتوں کی حالت و زندگی کی طرف لوگوں کی توجہ دلائی دوسری طرف حکومت نے قانون سازی کے ذریعہ عورتوں کے حقوق کا احاطہ کیا۔ اس سلسلہ میں مسلمان معاشرہ جس تذبذب کا شکار تھا اس کا اظہار ۱۹۰۱ء کی مردم شماری کی رپورٹ میں اس طرح سے کیا گیا ہے "مسلمان گھرانوں میں یہ احساس ہے کہ رسم و رواج کی وجہ سے مسلمان عورت کے حقوق کو نظر انداز کر دیا گیا ہے لیکن مسلمان کیونٹی میں اس پر اتفاق رائے نہیں ہے کہ اس مسئلہ کو کس طرح سے حل کیا جائے"۔

اس لیے عورتوں کے حقوق کے لیے برطانوی حکومت نے جو چند قوانین نافذ کیے، ان پر مسلمانوں نے عمل نہیں کیا، مثلاً شریعت ایکٹ ۱۹۳۰ء میں جس نے اس رسم کو ختم کر دیا کہ عورتوں کو وراثت میں کچھ نہیں ملے گا اور ان کا حصہ مقرر کیا۔ مگر اس پر عمل نہیں کیا گیا اور راج کے مسئلہ میں بچے مقامی رسم و رواج پر عمل کرتے رہے۔ مثلاً اس طرح جب بچپن کی شادی کے خلاف قانون پاس ہوا تو اس کی بھی مخالفت کرتے ہوئے مسلمانوں نے یہ کہا کہ شریعت میں اس کی ایجازت ہے، لہذا یہ قانون شریعت سے متصادم ہے۔ انہوں نے یہ دلیل بھی دی کہ بچپن کی شادی اس وقت ختم ہو جائے گی کہ جب معاشرہ میں تعلیم اور شعور آئے گا، اس لیے قانون سازوں سے اس مسئلہ کو حل کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہی صورت حال اس وقت پیش آئی کہ جب ۱۹۳۹ء میں

طلاق کا ایکٹ پاس ہوا اس کی بھی مخالفت کی گئی اس طرح ریاست، رسم و رواج اور خاندان تینوں عناصر نے مل کر عورت کو معاشرہ میں جکڑ رکھا۔

اس وجہ سے عورتوں کے بنیادی حقوق کے لیے جو قوانین پاس ہوئے، ان میں سے بہت سے ضائع ہو گئے۔ یہ صرف وہ مسلمانوں کے لیے نہیں بلکہ ہندوؤں کے لیے بھی تھے۔ دوسری طرف جہاں ان کی موقع، وہاں شریعت کو قانونی کے خلاف قرار دے کر ان کی مسترد کر دیا۔ اس وقت تک عورتوں میں یہ شعور نہیں آیا تھا کہ وہ اپنی تحریک چلائیں اور حقوق کے لیے جدوجہد کریں۔ لیکن ہندوؤں میں پاس ہونے والے ان قوانین سے سب سے زیادہ موثر معاشرہ میں ملنے والے اثرات ہیں۔

نواپادیاتی عہد اور رسم و رواج

۱۸۴۹ء میں بھوپال پر قبضہ کرنے کے بعد برطانوی حکومت نے گاؤں کے انتظام کے مسئلہ میں دستبردیرت تیار کیں۔ ان میں یہاں کی مسلمان، سماجی و مذہبی رسم و رواج کا جائزہ یہاں کے بعد اپنی انتظامی ضروریات اور تقاضوں کے تحت حکومت نے ہر اس شہر میں جو ہندوؤں کی رسومات پر تفصیل سے رپورٹ تیار کرائی۔ یہ معلومات ایک سو اسی نامہ کے ذریعہ جمع کی گئیں کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے عہد و عیادہ دریافت کیے گئے تھے۔ حاصل بات یہ تھی کہ حکومت ان معلومات کو ذخائر قلمبند کرتی رہتی تھی تاکہ اگر کوئی تبدیلی واقع ہوئی ہو تو اس کے بارے میں اسے آگاہی ملے۔

چونکہ ان رسم و رواج کی بنیاد پر قبائل، ذاتیں اور برادریاں اپنے سماجی تعلقات اور معاشرتی قیام، اس لیے حکومت ان میں دخل اندازی نہیں کرتی تھی۔ شاہدہ طیف کے مطابق "یہ اقدامات اس غرض سے اٹھائے گئے تھے تاکہ برطانوی حکومت اپنے مفادات کی توسیع بھی کرے اور ان کا تحفظ بھی کرے۔"

۱۸۳۰ء کی دہائی میں برطانوی حکومت نے جو اصلاح کی تحریک شروع کی تھی، وہ ۱۸۵۷ء کے بغاوت کے بعد ختم ہو گئی۔ چونکہ اس پر سخت تنقید ہوئی وہ رک گیا کہ بغاوت کی ایک وجہ یہ تھی کہ اس نے قانون سازی کے ذریعہ یہاں کے رواجی معاشرہ کو تہلیل کرنے کی کوشش کی اس لیے لوگوں میں

ناراضی پھیلی۔ اس لیے بعد میں جو رسم و رواج کے بارے میں مطالعہ جاست کیے گئے ان کا مقصد یہ تھا کہ قیدیوں، برادریوں اور مختلف ذائقوں کے بارے میں آگہی حاصل کی جائے تاکہ ان پر حکومت کرے میں سہا ہو

غور و خوض سے مسئلہ میں جو رسومات اور رسم و رواج کا ذکر اس کتاب میں کیا گیا ہے ان میں خصوصیت سے منگنی، شادی، عروسی، جہیز و بیوہ کی شادی کا، دیوار سے حیا، بیویوں کی تعداد، بیوہ عورتوں کے سجدہ، درخت، بیویوں اور ان کے بچوں کے بچوں کے حقوق، مو، وصیت، تہہ میں کی چادر اور غریب شامل تھے۔ ہندو رسم و رواج بہت سی رسومات میں۔ ہر کے شریک تھے مگر کچھ ان کے اختلافات بھی تھے۔ 'رسم و رواج' کے مصنف نے اس بارے میں لکھا کہ 'منزل، شادی اور طلاق کے مسائل کے بارے میں فقہاء نے اپنے اس سلسلے میں قاضی کے فیصلے آج تک درست نہیں۔ مگر چند ہی بیوہ و منگنی کی رسومات معانی رسم و رواج کے مطابق ہوتی ہیں۔ لیکن وہ مدارے معدودہ تھے جن کا تعلق درخت سے ہے۔ کا پھیر و رشتہ داری کی بنا پر مقامی رسومات کے تحت ہوتا ہے۔'

مقامی رسم و رواج کے بارے میں جو معلومات سرکاری دستاویزات میں اکٹھی کی گئی ہیں وہ بہت مختصر ہیں۔ اس مطالعہ میں اس قسم کی کوئی کوشش نہیں کی گئی کہ ان کا تاریخی ارتقائی جائزہ دیا جائے اور یہ کہ ان کے کیا ثبات اور تبدیلیاں آتی ہیں۔ چونکہ یہ معلومات ضلع کی سطح پر جمع کی گئی ہیں، ان میں کبھی تو بہت فرق نظر آتا ہے۔ اور کبھی نہیں۔ برطانوی حکومت کا مقصد اس مطالعہ سے یہ تھا کہ برادریوں سے بارے میں سماجی اور مذہبی معلومات کھنکی کی جائیں تاکہ ان کی رشتہ میں واپسی انتظامی پالیسیوں کو نافذ کر سکے مثلاً بچہ پاپ۔ ایکٹ ۱۸۷۲ء کے تحت یہ دعویٰ کیا گیا کہ منگنی، شادی، عروسی کا جائیداد میں حصہ، بیوہ وصیت، تہہ تقسیم، خاندانی تعلقات جیسے جسمانی بٹانا (بچہ گود لینا) اور کارچین شپ کے سلسلہ میں مذہبی اصولوں یا روایات پر عمل کیا جائے گا، مگر یہ دیکھا جائے گا کہ یہ رواج کھرب، سادات اور باشعور خیمبر سے تشابہ رکھتے ہوں۔ ان معاملات کا محض ناچار و بدولہ کے مطابق اس وقت فیصلہ کیا جائے گا کہ جب روایات کی غیر موجودگی میں ان کا کوئی حل نہ ملتا ہو۔

ان روایات کا جو مطالعہ کیا گیا اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ سماجی اور ثقافتی رسم و رواج اور

بہت رسومات معاشرہ پر اس میں اس خطہ کی عیسائی حمایت کرتی تھیں کہ جس میں یہ پرتا پرت تقسیم تھی اور اس کے افراد رشتہ داری میں ایک دوسرے سے بدھ ہوئے تھے۔ اس میں عورتیں مردوں کے تابع تھیں۔ برادری اور خاندان کا ڈھانچہ ایسا تھا کہ اس میں ان کے لیے آزادی کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔

منگنی کے سلسلہ میں لڑکی کو اس کا کوئی حق نہیں تھا کہ وہ اپنی مرضی کا اظہار کرے۔ مردوں کے سلسلہ میں یہ رواج تھا کہ گڑ کے کے والدین زندہ نہ ہوں تو اس صورت میں وہ اپنی مرضی کا اظہار کر سکتے تھے۔ منگنی کی رسم لڑکی کی پیدائش کے بعد کسی وقت بھی دیا جاسکتی تھی۔ صرف ایک شرط ہوتی کہ لڑکی کی عمر گڑ کے سے کم ہونا چاہیے۔ لڑکیوں کی شادی اکثر خاندانوں میں ہوتی تھی۔ خاندان کا یہ تھا کہ اس کے تمام افراد کا تعلق ایک ہی اجداد سے ہو۔ اس لیے جب عورت خاندان سے باہر شادی کرتی تھی تو وہ اپنے باپ کے خاندان سے تعلقات قطع کر کے شوہر کے خاندان کا حصہ بن جاتی تھی۔^{۱۷۳}

لڑکیوں کی شادی ۱۲ سے ۱۵ سال کے اندر اندر ہو جاتی تھی۔^{۱۷۴} بھونڈا کے کے شادی کو ترجیح دی جاتی تھی۔ کیونکہ اس سے جائیداد محفوظ رہتی تھی۔^{۱۷۵} بھی رواج تھا۔ شوہر کی وفات کے بعد بیوہ مرحوم شوہر کے بھائی سے شادی کر لیتی تھی۔ اگر کوئی بھائی نہیں ہوتا تھا تو اس صورت میں برادری کے ہی کسی فرد سے اس کی شادی ہو جاتی تھی۔^{۱۷۶}

بچہ پاپ کے مختلف ضلعوں میں ورثہ کا بھی رواج تھا۔ ایک اور رواج جو تری بنگلہ خاندان میں نہیں بھائی اور عین بیکس تبادلہ میں، مختلف خاندانوں میں بھائی جاتی تھیں۔ ایک اور رواج میں چار بھائیوں اور بیویوں کا بھی تبادلہ ہوتا تھا۔ ورثہ کے رواج میں دلوں خاندانوں کو سماجی طور پر ایک ہی سطح کا ہونا چاہیے تھا۔^{۱۷۷} ورثہ میں ایک رعایت یہ رکھی جاتی تھی کہ اگر دوسرے خاندان میں کوئی لڑکی نہیں ہوتی تھی تو اس صورت میں نقد اور لکھنے کی جاتی تھی۔^{۱۷۸}

رسم و رواج کی موجودگی اور معاشرے میں ان کی قبولیت کا نتیجہ یہ تھا کہ عورتوں کا پرچار، اقتصاد، روزانہ شریعت کے تحت مرد کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنی بیوی کو جب چاہے عدلیہ دے۔ اس طرح عورت کو اس صورت میں قلع کا حق ہے کہ اگر مرد نامرد ہو یا کسی علاقہ بھاری میں جلا ہو۔ اس طرح اگر شوہر یا بیوی اپنا حصہ تبدیل کر لیتے ہیں۔ شادی جو بدھ و ختم ہو جاتی

دیا۔ اس مقصد کے لیے کئی رسومات اور کی جاتی تھیں تاکہ لڑکی کو اس کے شوہر کی پہلی کا ایک فرد بنا دیا جائے۔ لہذا اس عہد نامہ کی تصدیق کے لیے انگلی، چادر اور کچھ زیورات لڑکی کو دیے جاتے تھے۔ انہیں "نکاح" کہا جاتا تھا۔ منگنی کی رسم ختم ہونے پر دعائے خیر پڑھی جاتی تھی۔ یہ معاشرتی رواج اور ایسی رسومات دونوں مل کر اس واقعہ کو بخیرہ اور رنگین بنا دیتے تھے۔

نکاح عہد نامہ کی تعلیمات کے مطابق ہو کر جاتا تھا اس کے بعد بہت سی رسومات کا اہتمام تھا۔ مثلاً نکاح کے دوسرے دن دولہا شاہ بالا اور ان کے دوستوں کی کھیر سے خاطرۃً صبح کی چلی تھی۔ اس کے بعد ایک اور رسم میں دولہا کے سامنے ایک پلیٹ رکھی جاتی تھی جس میں شکر ہوتی تھی، وہاں اس کے عوض اس میں کچھ پیسے رکھ دیتا تھا۔ پھر دولہا اور دامین کو آٹے سے بنا پٹیا کران کے درمیان منی کی بیٹ رکھ دیتے تھے جو کہ پانی سے بھری ہوتی تھی، جس میں چاندی کی انگلی، ایک دام اور کچھ سکے ہوتے تھے۔ دونوں سے کہا جاتا تھا کہ وہ بیٹ میں سے انگلی تلاش کریں۔ جو اس میں کامیاب ہو جاتا تھا وہ جیتا ہوا قرار پاتا تھا۔^{۳۸}

اس رسومات کی علامات سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ یہ شکر مناس و طہ کرتی ہیں۔ اس لیے امید کی جاتی تھی کہ میاں بیوی کے تعلقات میں کراہت نہ ہو۔ یہ شکر و تحریک ہیں۔ بیٹ میں انگلی کی تلاش میں یہ پیغام تھا کہ دونوں کو مل کر زندگی کی جدوجہد کرنا ہے، ملکی یک سو ہے لہذا اس میں بار آور جیسے محض حادثات ہیں۔

آئینہ مصحف کی رسم میں روایت اور عہد نامہ دونوں مل گئے تھے۔ جب دولہا دامن بندہ جاتے تھے تو ان کے اوپر چادر اُل ڈی جاتی تھی۔ اس کے بعد ان کے ہاتھوں میں قرآن شریف کھنکھ کر دے دیا جاتا تھا۔ اس کے بعد انہیں آئینہ دیا جاتا تھا کہ دونوں پہلی بار ایک دوسرے کو اس میں دیکھ سکیں۔^{۳۹}

جنیز کی لٹائش بھی ایک رسم تھی۔ اس کا ردود و ٹک کی والدہ کی مای حالت پر ہوتا تھا۔ ریت مند خاندان والے بچی ریت اور سر سے کے انگار کے لیے نیٹ ۱۰۰، ۱۰۰، ۱۰۰ جیز میں دیتے تھے۔^{۴۰} اس میں کوئی شہادت نہیں ہے کہ اس وقت دولہا دونوں کی جانب سے جہیز کے نام میں مطالبہ کیا جاتا ہو کہ انہیں کیا چاہیے۔ اس کو لڑکی کے خاندان پر چھوڑ دیا جاتا تھا۔ وہ دیکھ جتھوے دیکھتے ہیں۔

ان میں سے بہت سی رسومات کا تعلق عہد نامہ کی معاشرے سے تھا۔ دونوں خاندان مل کر یہ یقین دہانی کرتے تھے کہ شادی شدہ جوڑا خوش و خرم رہے، زمارہ سے زیادہ بچے پیدا کرے۔ عورت کے لیے بیچ پیدا کرنا خاندان کی خوش حالی کے لیے ضروری تھا۔ عورت کا ہاتھ منہ اس کے سے باعث شرمندگی تھا۔ یہ اس کی فتنے واری گئی جاتی تھی کہ وہ خاندان کے لیے شرم پیدا کرے۔^{۴۱}

ان سماجی و ثقافتی اور ایسی رسومات کا اثر عورت پر منفی ہوتا تھا۔ ہر حالت میں اسے مرد کے تابع بنا ہوتا تھا۔ اس کے لیے کوئی حقوق نہیں ہوتے تھے۔ طلاق کے واقعات بہت کم ہوتے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ان پر وہ رسومات میں دونوں خاندان اور برادری کے لوگ پوری طرح شریک ہوتے تھے۔ اس وجہ سے شادی بیاہ کے اخراجات کے علاوہ اہم وجہ یہ ہوتی تھی کہ عورت مکمل طور پر تابع اور ماموش ہوتی تھی اور شاہراہ اس کے خاندان کی برتاہائی کو برداشت کرتی تھی۔ ایک دوسری وجہ یہ تھی کہ شرم و بچی سے خوش نہیں ہوتا تھا تو وہ دوسری شادی کر دیتا تھا اور پہلی بیوی گھر میں خاموشی سے زندگی گزار لیتی تھی۔ برادری یا خاندان میں چونکہ طلاق کو برا سمجھا جاتا تھا اور عورت جو ایک بار اپنا گھر چھوڑ آتی دوبارہ سے اسے اس کا حصہ نہیں بنایا جاسکتا تھا، اس لیے وہ سون کی حیثیت سے رہنا گوارا کرتی تھی۔^{۴۲}

ایک دوسری اہم کتاب جس میں عہد نامہ کے رسم و رواج کے بارے میں ہے وہ ڈاک (Wakley) کی تصنیف "بھائی مسلمان" ہے جو ۱۹۱۵ء میں شائع ہوئی۔ اس میں اس نے ان رسومات کا ذکر کیا ہے کہ جو قہر، درد و غم کے سلسلے میں فرہنگ (Glossary) میں نہیں ہیں۔ اس کا کہنا ہے کہ شادی خاندان میں ہوتی تھی، لیکن اگر باہر ہو تو بھروسہ اور اس کے خاندان کے عمل سے متاثر نہ ہو کر دیکھا جاتا تھا۔^{۴۳} اگرچہ شادی کی رسم کے لیے کوئی پابندی تو نہیں تھی۔ مگر یہ عہد نامہ کے عہد میں عہد کے دن اور سفر کے وقت میں تیرا دن اور دوسرے نکاحوں کے ۲۳، ۱۸، ۱۳، ۸، ۳ اور ۲۸ دنوں میں شادی کی رسم نہیں اور کی جاتی تھی۔^{۴۴}

لوہی ریت والوں میں بڑے عورتوں کی شادی نہیں کی جاتی تھی، اسے ایک کٹا بکھا جاتا تھا۔^{۴۵} اگرچہ یہی ناطہ سے سن چار تھی مگر یہاں سماجی رواج یہ ہے کہ عہد نامہ پر عہد نامہ کی اس طرح سے پردہ امیر اور اونچے گھرانوں میں کیا جاتا تھا جن میں خاص طور سے سید اور قریبی برادریاں

میں بدل رہی ہے۔

ان رواجوں کی موجودگی کی وجہ سے معاشرے میں عورت کو کسی قسم کا مالی تحفظ نہیں ملتا تھا، مہر کی رقم کو جس کا تحقین شادی کے وقت ہوتا تھا، اس پر بھی اس کا حق نہیں ہوتا تھا اور بہت کم ایسا ہوتا تھا کہ اس کی لدا لگی ہو۔ اکثر بیوی سے ہر صاف کس لیا جاتا تھا جسے ایک ایک کام سمجھا جاتا تھا۔ چونکہ ہر کے سلسلہ میں شرفی احکامات کو مانا جاتا تھا اس لیے اس کی رقم اس قدر کم ہوتی تھی کہ اس کی دستیابی بھی عورت کو کوئی مالی تحفظ فراہم نہیں کر سکتی تھی۔ شادی کے وقت بیوی کو تحفہ کے طور پر جو زیورات دیے جاتے تھے انہیں بھی مہر میں شامل کر لیا جاتا تھا۔ مگر چونکہ وہ اس بات کی اجازت دیتا تھا کہ شوہر کے مرنے پر اس جائیداد سے مہر کی رقم منہا کر لی جائے مگر سماجی دباؤ کے تحت ایسا بہت کم ہوتا تھا اور عورت کو مہر کی رقم معاف کرنے پر مجبور کیا جاتا تھا۔

اس طرح مذہب کے احکامات کے برعکس اس کو رواج کے حق سے محروم کر دیا جاتا تھا۔ رواجی معاشرے میں زمین کی اہمیت ہوتی ہے۔ یہ خاندان کی ذمہ داریوں پر کفالت کرتی ہے بلکہ اسے سماج میں عزت بھی دیتی ہے۔ چونکہ لڑکی خاندان کا حصہ نہیں ہوتی، اس لیے اسے زمین کے حق سے محروم رکھا جاتا تھا۔ تا کہ وہ اپنا حصہ دوسرے خاندان میں نہ لے جائے۔ یہ ضرورت تھی کہ مرد وراثت کے ذریعے زمین کی عمارت نہیں ہو جاتی تھی مگر اس سے بھی اس کا سماجی رجحان نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ زمین کی آمدن پر اس کا کنٹرول نہیں ہوتا تھا۔^{۹۱} برطانوی دور میں بھی اس رسم میں کوئی تبدیلی نہیں آئی چونکہ حکومت کے سیاسی مفادات یہ تھے کہ زمین تقسیم ہندوؤں پر مردوں کا تسلط ہے، کیونکہ زمینداروں اور جاگیرداروں کا طبقہ اس کا حامی تھا اس لیے انہوں نے بھی اپنے سیاسی مفادات کی خاطر عورتوں کے حقوق کو نظر انداز کر دیا۔^{۹۲} ۱۹۳۷ء کے شریعت ایکٹ کے تحت جس نے بہت سے رواجوں کو ختم کر کے "مسلم پرسنل لا" کا نفاذ کیا تھا، اس میں بھی رواجی زمین کے بارے میں کوئی شق نہیں ہے اور اس کی ہر اشاعت رسم و رواج کے مطابق ہی چلی رہی۔^{۹۳}

آزادی کے بعد کی صورت حال

جیسا کہ وضاحت کی گئی ہے کہ برطانوی دور میں حکومت نے رسم و رواج کو اپنے سیاسی مفادات

کے لیے باقی رکھا۔ تقسیم کے بعد اور ایک آزاد ریاست کے قیام کے بعد اس بات کی ضرورت تھی کہ معاشرے کی ساخت کو تبدیل کیا جائے۔ پنجاب کی عورت، اس کے مسائل، اس کے سماجی اعتبار چڑھاؤ کے بارے میں آزادی کے بعد جو کام ہوا اس میں ارشاد ماجالی کی کتاب "پنجابی عورت" قابل ذکر ہے۔ ارشاد پنجابی نے مؤرخ تھے، اور نہ ہی انہیں موشیا لوجی اور دوسرے سماجی علوم کے بارے میں گہری سمجھ تھی۔ وہ ایک کھاری تھے اور پنجاب سے ان کا جو لگاؤ تھا، اس جذبہ سے انہوں نے یہ کتاب لکھی۔ اس میں انہوں نے یہ بھی۔ میں رنج شدہ رسالت اور رواجوں کے بارے میں اہم معلومات انہیں کی ہیں اس سلسلہ میں کہانیوں، استعاروں، کہاوتوں اور لوگوں کی باتوں کو انہوں نے استعمال کیا ہے۔ اس کی ایک کمزوری اس کی ردائیت ہے، اس لیے انہیں ہر رواج اور رسم میں کوئی نہ کوئی خوبی نظر آتی ہے۔ وہ اس مذہبی معاشرے کو باقی رکھنا چاہتے ہیں اور ہر تبدیلی کے مخالف ہیں۔ ان کی خواہش ہے کہ پنجاب کا گاؤں بغیر کسی تبدیلی کے رواجی ماحول میں باقی رہے۔ ان کی اس ردائیت کا نتیجہ ہے کہ وہ ان روایات اور رسم و رواج کے مکمل منظر میں عورتوں کے اس کردار کو تسلیم کرتے ہیں کہ جو ایک رواجی معاشرے میں ہے۔ مثلاً انہیں عورتوں کے لانا گیتوں میں ردائیت نظر آتا ہے کہ جو رواج بالکل پیچھے ہوئے گا تھی تھیں۔ لیکن وہ عورتوں کے اس دور کو اور بے چارگی کو نہیں دیکھ پاتے کہ کس طرح جلدی اٹھ کر یہ مشقت کرنی پڑتی ہے کہ جسے مرد اپنے لیے قابلِ محنت سمجھتے ہیں۔ وہ آنا پینے کی پکیوں سے خوش نہیں ہیں کہ جس نے عورتوں کو بھگی کی مشقت سے نجات دلا دی۔

ارشاد پنجابی پیدا شدہ معاشرے کے حامی ہیں، اور عورتوں کو مردوں کے تسلط میں دیکھنے کے قابل ہیں، کیونکہ عورت کی حفاظت مرد ہی کر سکتا ہے۔ جب بھائی اپنے بہن کو دوشہ جاتا ہے تو یہ اس کی علامت ہے کہ وہ اس کی حفاظت کرے گا۔ جن عورتوں کے بھائی نہیں ہوتے وہ خود کو غیر محفوظ سمجھتی ہیں۔^{۹۴} اس سلسلہ میں "وہ بیکری بکری" "بیکری" کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں کہ جس کا مطلب ہے باپ کا گھر جب کہ بیکری اس سے منسوب ہے۔^{۹۵}

انہوں نے ان کہاوتوں کو ختم کر دیا ہے کہ جس سے ہمارا ہوتا ہے کہ معاشرے میں عورت کا سماجی رتبہ کس قدر بچا تھا۔ مثلاً لڑکی کی پیدائش کے بارے میں ایک پنجابی کہاوت ہے کہ "لڑکی ایک ہانچہ ہوا مہمان ہوتی ہے" دوسری کہاوت ہے کہ "جیسے ہی لڑکی پیدا ہوتی ہے ہر طرف سے

نوحہ داری شروع ہو جاتی ہے۔" باپ کے گھر میں وہ بطور "امنیت" بھرتی ہے کہ جسے دوسرے کے حوالے کرنا ہوتا ہے۔ اس لیے اس کی حفاظت کی جاتی ہے تاکہ اسے پاک باز گھوڑی کو خاندان کے دے دیا جائے۔^{۵۵} اس کو تعلیم اس لیے بھی نہیں دی جاتی کہ اس کا قائدہ باپ کے خاندان والوں کو نہیں ہوگا، لہذا اس سرمایہ کاری سے کیا فائدہ جس کا نقصان ہو۔ لیکن ماں باپ لڑکی کو نہ صرف بھیج دیتے ہیں، بلکہ ہر تہوار اور دوسرے موقعوں پر بھی اسے تحفے تحائف دیتے ہیں۔^{۵۶} جس لڑکی کو گھر والوں کی طرف سے زیادہ تحفے یا نقد رقم ملتی ہے اس قدر اس کی شوہر کے گھرانہ میں عزت ہوتی ہے۔^{۵۷} لیکن یہ رسم ان گھرانوں کے لیے کہ جو غریب ہوتے ہیں، ناقابل برداشت ہو جاتی ہے۔ اس کے برعکس لڑکی سے کچھ لینا برا سمجھا جاتا ہے۔ اس لیے اکثر باپ یا بھائی اس کے گھر کھانے سے بھی پرہیز کرتے ہیں۔^{۵۸}

دعوت کے بارے میں ارشاد پنجابی کی دلیل ہے کہ اس رسم کی وجہ سے اس لڑکے کو جو چھوٹا اور بے کار ہے اور جسے کوئی لڑکی دینے پر آمادہ نہیں، اس رسم کے نتیجے میں اس کی شادی ہو جاتی ہے۔^{۵۹} شادی بیاہ کے موقع پر سہاگن عورتوں کو یہ حق ہوتا ہے کہ وہ لیکن کو تیار کرائیں۔ بیواؤں کو ایسے موقعوں پر قریب ہی نہیں آنے دیا جاتا ہے۔^{۶۰}

سامی ثقافتی اور مذہبی رواج نے پدرانہ معاشرے کو مضبوط و مستحکم بنایا اور عورت کو فعال کردار ادا کرتے سے روکا۔ اس سلسلہ میں یہ دلیل دی جاتی ہے کہ پدرانہ معاشرے میں مرد و عورت کو مالی ذمہ داریوں سے آزاد کر دینا ہے اور وہ ملازمت کی مصیبتوں سے بچی رہتی ہے، اس طرح گھر سے باہر کے آلودہ ماحول سے دفعہ رہتی ہے۔ لیکن عورت کی آزادی کی یہ بہت بڑی قیمت ہے کیونکہ مرد پر انحصار کر کے وہ اپنی تمام تخلیقی صلاحیتوں کو زائل کر دیتی ہے۔

تجزیہ

تقسیم کے بعد اور دوسرے صوبوں کی طرح پنجاب کا سامی ڈھانچہ بھی تبدیل ہوا۔ ایک تبدیلی تو یہ آئی کہ یہ صوبہ دو حصوں میں تقسیم ہو گیا۔ جس کی وجہ سے مشرقی پنجاب سے مسلمانوں کا اخراج ہوا اور مغربی پنجاب سے تمام غیر مسلموں کو نکال دیا گیا۔ اس اخراج کی وجہ سے صوبے کے سماج پر گہرے اثرات ہوئے۔ مغربی پنجاب کہ جہاں نو آبادیاتی دور میں بھی مسلمانوں کی اکثریت تھی،

پاکستان بننے، مشرقی پنجاب سے مہاجرین کے آہار ہونے اور فرقہ وارانہ تسادات کے بعد یہ ثقافت اور زیادہ گہری بن کر ابھری۔ اس کا فائدہ ان سیاسی جماعتوں کو ہوا کہ جنہوں نے اپنے سیاسی مقاصد کے لیے لوگوں کے مذہبی جذبات کو ابھارا۔ اس کا ایک اثر یہ بھی ہوا کہ اسلامی تحریکوں کی جانب سے ان رسم و رواج کے خلاف بھی رد عمل ہوا جو اسلامی نہیں تھے۔

اس کے علاوہ تبدیلی لانے والے دوسرے عوامل میں کیوں یکیشن نے اہم کردار ادا کیا اور اس کی وجہ سے سماج کی تشکیل میں تبدیلیاں آئیں۔ شہری اور دیہاتی آبادی کے ملنے سے دیہات کے لوگ نئے خیالات اور نئی اشیاء سے واقف ہوئے۔ مہاجرین جو کہ دیہاتوں اور شہروں دونوں جگہوں میں آباد ہوئے انہوں نے گاؤں اور دیہات میں برادری ذات کے رشتوں کو کمزور کیا، مذہبی جماعتوں نے انہیں برادری اور ذات کی جگہ مذہبی شناخت دی۔ غریب اور چروکار لوگوں میں جب مذہبی جذبہ پیدا ہوا تو ان طبقاتی احساسات نے مذہب کا راستہ اختیار کیا۔ اب وہ اپنے مذہبی جوش اور اشتیاق پائندگی میں خود کو پاک باز اور متقی سمجھنے لگے اور شہر کے اعلیٰ طبقے کے لیے ان میں نفرت و حقارت پیدا ہوئی کہ جو مغربی تہذیب و تمدن میں ڈوبے ہوئے تھے۔ دیہات اور قبیلوں کے نوجوان تھے کہ جو غیر اسلامی رسم و رواج کے خلاف ہو گئے۔

سیاسی حالات اور دوسرے صوبوں کے رد عمل میں پنجاب میں بھی قوم پرستی کی لہر اٹھی، جس کی وجہ سے لوگ اپنے قبیلے اور ذات پر فخر کرنے لگے اور اس کے تحت اپنے رسم و رواج اور روایات پر فخر کرنے لگے۔ لہذا مذہبی شناخت اور صوبائی شناخت دونوں متوازی طور پر جاری ہیں۔

سماج کی تبدیلی کا ایک اثر یہ ہے کہ اب خاندان کا سائز گھٹ گیا ہے۔ ایک وقت تھا کہ قریبی رشتہ دار ساتھ رہتے تھے اور یہ سماجی اور مالی طور پر خاندان کے لوگوں کے لیے مدد اور مہارے کا باعث ہوتا تھا۔ اس ماحول میں لڑکیوں پر سب نظر رکھتے تھے اور ان کے لیے یہ ناممکن تھا کہ وہ خاندانی بندھنوں سے آزاد ہوں یا بھنات کریں۔ انہیں اس ماحول میں رہتے ہوئے تمام سماجی و ثقافتی اور مذہبی رسومات کی پابندی کرنی لازمی تھی لیکن جب سے خاندان بکھرنا شروع ہوئے ہیں، اس نے عورتوں کو محدود آزادی دی ہے۔

پروے کا رواج، عورتوں کو تسلیم میں رکھنے کا ایک ذریعہ ہے کہ جس سے اس کی سرگرمیاں محدود ہو جاتی ہیں اور حاس طور سے دو ایک لائف سے غائب ہو جاتی ہے۔ یہ اس کی تعلیم اور ملازمت

کے سوا قح کو کم کر دیتا ہے۔ ایک وقت یہ تصور عام تھا (اب بھی خاص خاندانوں میں ہے) کہ عورت کو اپنا جسم سر سے ہر تک ڈھانپنا چاہیے کیونکہ اس کا جسم گناہ کی دعوت دیتا ہے۔ لہذا شریف عورتوں کو غیر مردوں کی نگاہوں سے دور رہنا چاہیے۔ لیکن وقت کے ساتھ ساتھ اب پردے کی اہمیت کم ہو رہی ہے۔ گاؤں اور دیہات میں کسان عورتیں تو اس سے پہلے بھی پردہ نہیں کرتی تھیں کیونکہ انہیں گھر سے باہر کھیتوں میں کام کرنا ہوتا تھا۔ ان کا روزمرہ کا یہ سلسلہ اب بھی جاری ہے۔ ایک وقت میں طبقہ اعلیٰ کی خواتین پردے کی رعایت کی سب سے زیادہ حامی تھیں۔ مگر اب انہوں نے بھی پردہ ترک کر دیا ہے۔ اس کی بابت اب متوسط طبقے میں یا زمینداروں اور بیروں کے ہاں کہ جواب بھی اپنی عورتوں کو حلیوں میں بند رکھتے ہیں۔ شہروں میں مخلوط تعلیم نے لڑکیوں کو موقع دیا کہ وہ اس دنیا سے واقف ہوں جو اب تک ان کے لیے بند تھی۔ تعلیم کے ساتھ ساتھ اب ملازموں کے دروازے بھی ان پر آہستہ آہستہ کھل رہے ہیں۔

جہیز کی رسم میں بھی تبدیلی آئی ہے۔ اس سے پہلے لڑکے والے جہیز کے بارے میں شرائط نہیں رکھتے تھے مگر اب ان کے مطالبات بڑھتے چلے جا رہے ہیں۔ کبھی کبھی یہ مطالبات لالچ اور رش کی تمام حدود کو توڑ دیتے ہیں کہ جب لڑکے کے خاندان والے مطالبات کی ایک لمبی فہرست لڑکی والوں کے حوالے کر دیتے ہیں۔ پاکستان میں لڑکیوں کو کھانے کے واقعات عام ہونے لگے ہیں۔ اس کا پس منظر متوسط طبقہ کی معاشی صورت حال ہے۔ بیروزگاری، مہنگائی اور اشیائے مصرف کی قیمتوں میں اضافے نے یہ صورت حال پیدا کی ہے۔ لڑکا اس امید میں ہوتا ہے کہ وہ شادی کر کے اپنے اور خاندان کے لیے زیادہ سے زیادہ سامان حاصل کر سکے گا۔ اس طرح شادی ایک بزنس ہو گئی ہے اور متوسط طبقے کے لڑکے امیر گھرانوں میں شادی کی خواہش کرتے ہیں تاکہ انہیں جہیز میں وہ چیزیں مل سکیں جو وہ خریدنے کی استطاعت نہیں رکھتے ہیں۔

جہیز کے سلسلہ میں راجا راون نے لکھا ہے کہ جہیز کی ضرورت اس صورت میں اہم ہو جاتی ہے کہ جب عورت گھر بیکاروں میں مصروف رہتی ہو، بچوں کی پرورش کرتی ہو جس کی وجہ سے گھر کی آمدنی کم ہو جاتی ہے۔ اس لیے اگر عورت کی آمدنی گھٹ کر صفر پر جائے تو اس صورت میں جہیز اس کی آمدنی کو پورا کرنے کے کام آتا ہے۔^{۱۸۲} مگر پھر اس کا جواب دیتے ہوئے کہا ہے کہ تاریخی طور پر بیسٹ نہیں ہے کہ جہیز بھئی کی زندگی بھر کی بیروزگاری کو پورا کرنا ہے۔ درحقیقت یہ

ایک خرچ ہوتا ہے کہ جو لڑکی کے گھر والے دہلیا کے گھر والوں کو ادا کرتے ہیں۔ خرچ کا مطالبہ اس لیے کیا جاتا ہے تاکہ عورت کو وہ اپنے خاندان میں شامل کر لیں۔^{۱۸۱} وہ مزید کہتی ہیں کہ جہیز درحقیقت غیر مساوی سلوک اور مرتبے کا اظہار کرتا ہے لڑکے والے مطالبہ کرتے ہیں کہ لڑکی کے ساتھ انہیں اشیاء، نقدی اور سامان دیا جائے، دوسری جانب لڑکی والے یہ سب مطالبات پورے کرتے ہیں۔ اس سے لڑکے اور لڑکی کے خاندانوں کے درمیان سماجی روایات کے اعتبار سے غیر مساوی ہونے کا فرق ظاہر ہوتا ہے۔ دیتے والوں کو اس کے عوض لینے والے یہ کہتے ہیں کہ انہوں نے ان کی لڑکی قبول کر کے ان کی عزت افزائی کی ہے۔^{۱۸۲}

موجودہ زمانے میں جہیز کے لیے زیادہ مطالبہ کرنے والے یہ دلیل دیتے ہیں کہ چونکہ انہوں نے لڑکیوں کی تعلیم میں بہت سرمایہ کاری کی ہے لہذا اب یہ ان کا حق ہے کہ وہ اس عوض جہیز لیں۔ یہی وجہ ہے کہ ڈاکٹر، انجینئر، حکومت کے عہدیدار زیادہ جہیز کا مطالبہ کرتے ہیں۔ لیکن موجودہ حالات میں والدین اب لڑکیوں اور لڑکوں دونوں کی تعلیم پر خرچ کرتے ہیں، اس لیے اس دلیل میں اب زیادہ وزن نہیں رہا ہے۔ لڑکیوں کی تعلیم اور ملازمت کا ایک اثر یہ ہوا ہے کہ لڑکیاں اب اپنی آمدنی سے اپنا جہیز تیار کرتی ہیں تاکہ وہ والدین پر بوجھ نہ بنیں۔ لیکن جہیز کی رسم ابھی تک لڑکی کے خاندان والوں کے لیے ایک بوجھ ہے۔ کچھ حالات میں باپ بیٹا نہ ہونے کے بعد اپنی خاتون سے ملنے والی رقم جہیز میں لگا دیتے ہیں اور خود غربت و مطلق کو برداشت کرتے ہیں۔ اس وجہ سے عورتوں کے بارے میں اب تک یہی تصور ہے کہ وہ خاندان کے لیے بوجھ ہوتی ہیں۔

جہیز کے سلسلے میں ایک دلیل اور دی جاتی ہے کہ والدین اپنی لڑکی کو جو جہیز دیتے ہیں وہ انہیں لڑکیوں کی شادی میں ایک لحاظ سے واپس مل جائے گا۔ لیکن اگر کسی کے کوئی لڑکا نہ ہو تو؟ لیکن یہ حقیقت ہے کہ ایک بھائی دوسری بھائی کو بھی بہت نہیں کر سکتی ہے۔ زمیندار اور جاگیردار گھرانوں میں لڑکی کو جائیداد سے اس لیے محروم کر دیا جاتا ہے کہ اس کا حصہ جہیز کی صورت میں اسے دے دیا جاتا ہے۔

۱۹۶۰ء کی دہائی سے ایک اور سماجی تبدیلی اس وقت آنا شروع ہوئی کہ جب دیہاتوں اور شہروں سے نچلے اور متوسط طبقوں کے مرد بڑی تعداد میں مشرق وسطیٰ میں ملازمت کے سلسلے میں پہلے گئے۔ ان کی غیر موجودگی میں گھر بیکار باہر کے کاموں کی نئے داری عورتوں پر آگئی جنہوں

کے بعد تو ان کے غم و غل و غم کے گہرا است اور معاشرہ اگر اصلاح کے خواہش مند ہیں تو اس کے لیے انہیں ذرائع ابلاغ کو بروئے کار استعمال کرنا ہوگا۔ اس کے بعد ہی معاشرے کی اصلاح ہو سکتی ہے۔

Reference

- 1- Marx, K. *Collected Works*, Vol. II Moscow, 1976, p. 234.
- 2- *Ibid.*, p. 239.
- 3- Mica, Maria; *Patriarchy and Accommodation on a World Scale*. Zed Press, 1994, p. 24.
- 4- *Ibid.*, pp. 50-53.
- 5- *Ibid.*, p. 36.
- 6- Engels, F., *The Origin of Family*. In *The Women Question*, selection from the writings of Marx, Lenin, Stalin and Engels, New York, 1951, p. 22, 23.
- 7- Ali, Mubarak, *Tarikh aur Aurat*, Fiction House, Lahore, 1996, pp. 9, 10.
- 8- Abeysekera, Sunda; *On the Violence of Patriarchy*. In *the Court of Women*, Simorgh, Lahore, 1995, pp. 14, 15.
- 9- *Ibid.*, pp. 14, 15.
- 10- Mica, Maria, p. 38.
- 11- Darling, F.; *Westernization of Asia*, Sheikamen, 1980, p. 3.
- 12- *Ibid.*, p. 4.
- 13- Ibbetson, D.; *A Glossary of Tribes and Castes of the Punjab and North West Frontier Provinces*, reprint, Lahore, 1975, p. 14.
- 14- Larif, Shahida. *Muslim Women in India. Political and Private Realities*. Zed Press, London, 1990, p. 7.

نے بچوں کی تعلیم کی نگرانی اور گھر سے باہر آتھوں میں جانے اور خریداری کے تمام کام کیے۔ اس نے پہلی مرتبہ انہیں محدود پیمانے پر آزادی دی۔ معاشی خوشحالی کا بھی تاوان کی زندگی پر اثر ہوا۔ لڑکیوں میں تعلیم کا رجحان بڑھا، برقعے کی جگہ چادر نے لے لی۔

لیکن موجودہ حالات میں جب سے مذہب کا اثر ہونا شروع ہوا ہے اس کی وجہ سے متوسط اور طبقہ اعلیٰ کی خواتین میں اس کا رعب اور چہرے کے نقاب کا رواج بڑھ گیا ہے۔ معاشرے میں مذہب کے بارے میں خطبات کو بدلتے میں مذہبی جماعتوں اور مدرسوں کا ہاتھ ہے کہ جنہیں چہرے کی خطیر رقم عرب روپاستوں سے ملتی رہی ہیں۔ مالی حالت کے بہتر ہونے کے بعد مولوی جو اب تک لوگوں کے چہرے پر اٹھا کر کرتا تھا اب اس سے آزاد ہو کر معاشرے کی اصلاح جامعہ انداز میں کرنا چاہتا ہے۔ ضیاء الحق کی شخصیت میں انہیں ایک سرپرست مل گیا جس نے ان کی سرپرستی کی اور ان کی مدد سے ریاستی اداروں کو مل بھی رنگ میں ڈھال دیا۔ حدود و روضی جنس جو اس کے دور میں نافذ ہوئے اس نے عورتوں کے حقوق کو نہ صرف پامال کیا بلکہ ان کی سماجی حیثیت کو گرادیوایا۔ اس کے بعد سے عورتوں پر تشدد کے واقعات میں یکدم اضافہ ہوا۔

اس وقت پاکستان اور پنجاب میں خصوصیت سے معاشرہ ایک طرف رسم و رواج اور روایات کا شکار ہے تو دوسری طرف شریعت کے نفاذ کا مطالبہ ہے۔ لیکن پنجاب میں ابھی بھی سماجی و ثقافتی رواج کو شریعت پر برتری ہے، کیونکہ دیہات کا سماج ابھی تک جوے فیوڈل لاؤڈز کے تسلط میں ہے کہ جہاں پنجابیت کے بزرگ و شجاعت کا چرگے کی شکل میں اپنی روایات کی روشنی میں ٹھیلے کرتے ہیں۔ جب بھی رسم و رواج اور روایات قبیلے یا ذات کی عزت سے منسلک ہو جاتی ہیں تو ان سے ہٹنا کارا یا نامشکل ہوتا ہے۔ اگر ان کے خلاف قوانین بنے بھی ہیں تو انہیں کی یا تو پرواہ نہیں کی جاتی ہے یا ان سے خلاف روضی کے طریقوں کو دریافت کر لیا جاتا ہے مثلاً جب یہ قانون پاس ہوا کہ جینے کی نمائش نہیں کی جائے گی تو لڑکی والوں نے جینے کو شادی سے پہلے دولہا کے گھر بھجوانا شروع کر دیا۔ اس طرح جب شادی کے کھانے پر پابندی لگی تو یہ کھانا سنگھڑا با عقیقے کے نام پر شادی کے ساتھ دیا جانے لگا۔

لہذا ایسی روایات اور رواج کو جو اپنی افادیت کو بیٹھنے ہیں اور زمانے کی ضروریات سے مطابقت نہیں رکھتے ہیں ان کے خاتمے کے لیے لوگوں کی تعلیم اور فرائضی تبدیلی کی ضرورت ہے اس

- 37- *Ibid.*, p.763.
- 38- *Ibid.*, p.765.
- 39- *Ibid.*, p.808.
- 40- *Ibid.*, p.815.
- 41- *Ibid.*, pp.831-832.
- 42- *Ibid.*, p.827.
- 43- Wickeley, J.M., *Panpahi Muslims*, New Delhi, 1991, p.35.
- 44- *Ibid.*, p.39.
- 45- *Ibid.*, p.30.
- 46- *Ibid.*, p.40.
- 47- *Ibid.*, pp.42-43.
- 48- *Imperial Gazetteer of Lahore District*, 1883-84, Lahore, 1889, pp.18,83,84.
- 49- Agorwal Bina: *A Fied of us Qwa*, Cambridge, 1994, p.14.
- 50- *Ibid.*, p.128.
- 51- *Ibid.*, p.130.
- 52- Punjabi, Inshad, *Punjab Ki Aurat*, Lahore, 1976, p.176.
- 53- *Ibid.*, p.417.
- 54- *Ibid.*, p.314.
- 55- *Ibid.*, pp.147-148.
- 56- *Ibid.*, p.150.
- 57- *Ibid.*, p.164.
- 58- *Ibid.*, p.329.
- 59- *Ibid.*, p.350.
- 60- Hies, Maria, p.158.
- 61- *Ibid.*, p.160.
- 62- *Ibid.*, p.161.

تاریخ کی تلاش: علامہ محمد بخش عباسی، ۲۰۰۳ء

- 15- *Ibid.*, p.6.
- 16- Trigger, Bruce G. *A History of Archaeological Thought*, Cambridge, 1993, p.290.
- 17- Latif, Shahida, p.63.
- 18- Lokhandwala, S.T. The position of women under Islam in: *Status of Women in Islam*, edited by: Asghar Ali Engineer, Ajanta, Delhi, 1987, p.71.
- 19- Latif, Shaikha, p.62.
- 20- Latif, Shahida, p.23.
- 21- Kaul, P.H.K., *Customary Laws of Musaffargarh District*, Vol. XX, Lahore, 1908, p.10.
- 22- Bolster, R.C., *Customary Laws of the District Lahore*, Vol. XIII, Lahore, 1916, p.8.
- 23- *Ibid.*, p.8.
- 24- Kaul, p.3.
- 25- Bolster, pp.31-32.
- 26- *Ibid.*, p.23.
- 27- *Ibid.*, p.24.
- 28- Kaul, P.H.K., *Customary Law of Musaffargarh District*, Vol. XX, Lahore, 1903, p.15.
- 29- *Ibid.*, p.2.
- 30- *Ibid.*, pp.18,22,23.
- 31- Bolster, p.17.
- 32- Kaul, pp.17,18.
- 33- *Customary Law 3*, Vol. XX, pp.4,5., Bolster, pp.13,24.
- 34- *Ibid.*, p.23.
- 35- Ibbetson, *Glossary*, p.763.
- 36- *Ibid.*, p.765.